
ماہنامہ
مُسلمان بچے
بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان
لاہور
پاکستان
207
جمادی الاول ۱۴۴۶/نومبر 2024
بزمِ عشق


اللہ کے پیارے


بوجھ بجھکڑ، سلطان ٹیپو شہید
اور
ڈھیروں دلچسپ کہانیاں
احسن القصص

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مُسلمان بچے

لاہور
پاکستان

بچوں کے
اسلامی، اخلاقی، تعلیمی
اور تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

جمادی الاوّل ۱۴۴۶ھ بمطابق نومبر 2024ء

شمارہ: 5 جلد: 18

قیمت فی شمارہ: 70 روپے

سالانہ زرِ تعاون = /840 روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیلِ رقم اور حصولِ رسالہ کیلئے:

مکتبۃ ابنِ مُبارک

37۔ حق سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں









اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

اور ان کی خیر خیرات مقبول ہونے سے اور کوئی چیز بجز اس کے مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور نماز نہیں پڑھتے مگر کاہلی سے اور نیک کام میں خرچ نہیں کرتے مگر گرانی سے۔ (التوبہ)

حمد باری تعالیٰ

یہی ہے عبادت، یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں
خدا کے لیے ، آپ نے یہ جہاں میں
سبھی کے لیے ہے پھیلا کرم کا خزانہ
نہ تھی کوئی ہستی، نہ تھا کوئی ذرّہ
وہی ہے ازل سے، وہی ہے ہمیشہ
زمین و زماں کی حقیقت نہ کوئی
یہ سب کچھ ہیں قائم تری ذات سے ہی
ہر ایک شے میں تُو نے، تجھے ہی دکھایا
یہ ذرہ بھی تیری ہی عظمت کا سایا
زمانے کے ہر پل کا تُو نے دیا ساتھ
سبھی پر ہے تیرے کرم کا یہ احساں
نہ ہو تیری رحمت، نہ ہو تیرا سایہ
تو کیا کچھ ہو ممکن، یہ کیسے ہو پایا

فرمان رسول اکرم ﷺ

نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ:

جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ ایسی طرح نماز پڑھے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں، ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا دوسرا انفاق سے بری ہونے کا۔ (ترمذی)

نعت رسول مقبول ﷺ

اکمل و اعلیٰ افضل و برتر شافع محشر ساقی کوثر
سب سے ہیں محبوب پیمبر شافع محشر ساقی کوثر
کوئی نہیں تیرا ہمسر شافع محشر ساقی کوثر
ایک فقط اللہ اکبر شافع محشر ساقی کوثر
سب خلقت کا تو ہے رہبر شافع محشر ساقی کوثر
سب کے لئے ہے ایک ترا در شافع محشر ساقی کوثر
میرا ہو مسکن کاش ترا در شافع محشر ساقی کوثر
دل میرا ہو اور ترا گھر شافع محشر ساقی کوثر
ہیچ ہے کسریٰ لاشئے قیصر شافع محشر ساقی کوثر
تیرا قدم ہے سب کے سر پر شافع محشر ساقی کوثر
میرا گواہ ہے میرا اللہ دوں نہ تیرے نعلین کا تسمہ
سارے جہاں کی دولت لے کر شافع محشر ساقی کوثر
تیرے امیں کو آس ہے پھر بھی روز قیامت چشم کرم کی
کل امت میں سب سے ہوں بدتر شافع محشر ساقی کوثر



ایک دُعا یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ اَرْضِنِیْ بِقَضَائِکَ وَ بَارِکْ لِیْ فِیْمَا قُدِّرَ لِیْ

ترجمہ: یا اللہ! مجھے اپنی تقدیر پر راضی فرما دیجئے اور جو میرے مقدر میں لکھا ہے اس میں میرے لئے برکت عطاء فرما دیجئے۔

ایک حدیث یاد کیجئے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا عَمِلَ آدَمِیٌّ عَمَلاً اَنْجٰی لَهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰهِ

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذابِ قبر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے۔

(مسند احمد)

وفا کے نام!

تمہیں کیا! تم تو محوِ رونق فصلِ بہاراں ہو
خبر بھی ہے چمن والو! قفس والوں پہ کیا گزری؟
تڑپ جاتے ہو تم تو اک شکن سے خواب عشرت میں
ذرا سوچو اے گلبدنو! خزاں حالوں پہ کیا گزری؟

قسم کھائیں ملائک جن کے دامن تقدس کی
ارے دیکھو حرم کی گود کے پالوں پہ کیا گزری؟
قیامت دخترانِ فخر عصمت پر جو ٹوٹی ہے
تمہیں غم کیا ہے شمع نور کے ہالوں پہ کیا گزری؟

ہر اک زنداں و مقتل کا نظارا دیکھئے جا کر!
اسیروں اور شہیدوں، حق کے متوالوں پہ کیا گزری؟
وفا کے نام پہ پلتے ہوؤں کو درد ہے کس کا؟
راہِ الفت کے خستہ حال، پامالوں پہ کیا گزری؟

پتہ کس کو نہیں جو بھی ستم ڈھائے رقیبوں نے
بزرگوں اور بچوں پہ، جواں سالوں پہ کیا گزری؟
بنے پھرتے ہو زینت منبر و محراب کی انور
خبر بھی ہے کہ دین حق کے رکھوالوں پہ کیا گزری؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

پیارے مسلمان بچو!

آج ہم ایک ایسے چیلنج کے بارے میں بات کریں گے جس کا سامنا تقریباً ہر بچے کو ہے اور وہ ہے موبائل فون کا استعمال اور نہ صرف استعمال بلکہ بہت زیادہ استعمال۔ موبائل فونز نے ہماری زندگیوں میں بہت سی آسانیاں پیدا کی ہیں، جیسے کہ معلومات تک فوری رسائی، دوستوں اور رشتہ داروں سے رابطہ، اور تفریحی مواد کا لطف اٹھانا۔ لیکن کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ موبائل فون کا حد سے زیادہ استعمال ہمیں کس طرح نقصان پہنچا سکتا ہے؟

بچوں کی زندگی میں موبائل فون کا بڑھتا ہوا استعمال کئی طرح کے مسائل پیدا کر رہا ہے، جن میں تعلیمی کارکردگی میں کمی، جسمانی صحت کی خرابی، اور ذہنی دباؤ شامل ہیں۔ بچوں کے موبائل فون پر زیادہ وقت گزارنے سے ان کا تعلیمی معیار متاثر ہوتا ہے۔ ویڈیوز دیکھنے، گیمز کھیلنے، اور سوشل میڈیا پر وقت صرف کرنے کی وجہ سے وہ اپنی پڑھائی پر توجہ نہیں دے پاتے، جس کے نتیجے میں امتحانات میں ناکامی یا کم نمبرات حاصل کرنے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ تعلیم میں دلچسپی نہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہے اور وہ منفی سرگرمیوں کو قبول کرنے لگتے ہیں۔

موبائل فون پر مسلسل مصروف رہنے کی وجہ سے بچے حقیقی دنیا سے دور ہو جاتے ہیں اور خیالی دنیا میں کھو جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان کی سماجی مہارتیں متاثر ہوتی ہیں، اور وہ تنہائی، ذہنی دباؤ اور افسردگی کا شکار ہو سکتے ہیں۔

موبائل فون کا زیادہ استعمال ہمیں دینی فرائض سے بھی غافل کر سکتا ہے۔ جب ہم زیادہ تر وقت فون پر صرف کرتے ہیں، نماز، قرآن کی تلاوت، اور دیگر دینی عبادات کے لیے وقت کم رہ جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دنیا کی محبت میں غرق ہونے سے منع فرمایا ہے اور آخرت کی تیاری کی نصیحت کی

ہے۔لہذا کوشش کریں کہ موبائل فون کا استعمال اگر ختم نہیں کر سکتے تو اس کو محدود کر کے اپنے آپ پر رحم کریں۔ چند تجاویز پر عمل ناگزیر ہے جیسا کہ

1) موبائل فون کے استعمال کے اوقات متعین کریں۔ روزانہ ایک مقررہ وقت تک ہی موبائل فون استعمال کریں، اور دیگر وقت کو تعلیمی اور دینی کاموں کے لیے وقف کریں۔

2) غیر ضروری ایپس اور گیمز کو حذف کریں۔ موبائل فون پر موجود وہ ایپس اور گیمز جو وقت ضائع کرتی ہیں، انہیں حذف کر دیں یا محدود وقت کے لیے استعمال کریں۔

3) گھر والوں کے ساتھ مل کر وقت گزاریں۔ موبائل فون کے بجائے حقیقی زندگی میں اپنے والدین، بہن بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ وقت گزاریں، تاکہ آپ کی سماجی مہارتیں بہتر ہوں۔ ان سے سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔

4) دینی سرگرمیوں میں شرکت کریں۔ نماز، قرآن کی تلاوت اور دیگر دینی کاموں میں خود کو مصروف رکھیں۔ یہ نہ صرف آپ کی روحانی تربیت کا ذریعہ بنے گا بلکہ موبائل فون کے غیر ضروری استعمال سے بھی بچائے گا۔

5) جسمانی سرگرمیوں میں حصہ لیں۔ کھیل کود، دوڑ یا ورزش جیسی جسمانی سرگرمیوں میں حصہ لیں تاکہ آپ کی صحت بہتر ہو اور آپ موبائل فون کے طویل استعمال کے منفی اثرات سے بچ سکیں۔

پیارے بچو! یہ ایک نصاب ہے جسے ہم اپنی زندگی میں لاگو کر سکتے ہیں۔ ہم سب مل کر اس نئے چیلنج کا مقابلہ کریں اور اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ مند بنائیں۔

والسلام

ابو محمد عروہ

اللہ کے پیارے



بیگم سیدہ ناجیہ شعیب احمد

شمعونہ بی بی حسبِ معمول باورچی خانے میں دوپہر کا کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔ سعدی اسکول سے واپس آتے ہی دبے پاؤں سیدھا ان کے کمرے میں گھس گیا۔ بستہ پلنگ پر رکھا اور امی جان کی بناؤ سنگھار کی میز کے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اسے اپنا عکس واضح نظر آنے لگا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں، موٹی سی ناک، موٹے اور بھدے ہونٹ اور کالا سیاہ چہرہ۔ وہ ایک دم اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر دبی آواز میں شکوہ کر بیٹھا۔

"اللہ جی! میں اتنا بدشکل کیوں ہوں؟"

اس نے دوبارہ آئینے میں اپنی کالی کلوٹی صورت دیکھی تو اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو ٹپ ٹپ کرتے ہوئے میز پر گرنے لگے۔ اس کے آس پاس کئی مختلف آوازیں گونجنے لگیں۔

"او کالے! بھدے! بولو! کہاں سے آئے ہو؟"

"ارے دیکھو! تو اسے یہ ہمارے ساتھ بیٹھا ہوا ایسا لگتا ہے، جیسے سفید بگلوں میں کالا کوا، ہاہاہا۔"

------☆------



اُردو اَدب کے اُستاد جاسم منیر آج بڑے خوش گوار موڈ میں تھے انہوں نے تمام طلبہ سے کہا کہ آج ہم بلند خوانی کریں گے۔ خاور کی اُردو بہت کمزور تھی۔ جب اس کی باری آئی تو اس نے جاسم صاحب کا

دھیان بٹا ہوا دیکھتے ہی اس نے کتاب فوراً سعدی کے ہاتھ میں تھما دی۔ سعدی نے برا منائے بغیر بڑے جذب سے کتاب پڑھنا شروع کر دی۔

جاسم صاحب کاپیاں چیک کرنے میں مگن تھے کہ چپڑاسی نے پیغام دیا کہ پرنسپل صاحب آپ کو آفس میں بلا رہے ہیں۔ جاسم صاحب کمرۂ جماعت سے باہر چلے گئے ان کے کمرے سے جاتے ہی سب نے مل کر ہمیشہ کی طرح اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیا تھا۔

سب سے زیادہ مذاق اس کی کالی بھدی رنگت کا اڑایا جاتا تھا۔خوب پھبتیاں کسی جاتیں۔ کوئی اسے اَماوس کی کالی رات کہہ کر چھیڑتا، تو کوئی حبشی کہہ کر مذاق اڑاتا، اور کوئی کالی آندھی کہہ کر کلیجہ چیر دیتا۔

سعدی کلاس ششم کا طالب علم تھا۔ پوری کلاس میں سب سے اچھی اُردو سعدی کی تھی۔ اُردو کے استاد جاسم منیر صرف اسی سے بلند خوانی کروانا پسند کرتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ سعدی کی اس قابلیت سے کلاس کے کچھ بچے تو اس کو ستائش بھری نظروں سے دیکھتے تھے اور کچھ سعدی سے جلنے لگتے جو سعدی سے جلتے سعدی انہیں نظر انداز کرنے کے بجائے اندر ہی اندر کڑھنے لگتا۔ اسی کڑھن کی وجہ سے وہ شدید احساس کمتری کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔

"میں اتنا کالا کلوٹا کیوں ہوں؟ گھر میں امی ابا کا رنگ میری طرح کیوں نہیں ہے؟ میں کس پر چلا گیا؟ کیا میں ان کا سگا بیٹا ہوں؟"

وہ ہمیشہ کی طرح اُلٹی سیدھی باتیں سوچنے لگا اور یہی سوچتے ہوئے سوگیا۔

------☆------

"سعدی.....! اب اُٹھ بھی جاؤ، اسکول سے آ کر ایسے ہی سو گئے۔"

شمعونہ بی بی گھر کے کاموں سے فرصت پا کر گھڑی بھر کو اپنے کمرے میں آئیں تو سعدی کو پلنگ پر اُوندھا پڑا دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ اسے جھنجھوڑ دیا۔

"کیا مصیبت ہے امی! ابھی تو آنکھ لگی تھی۔"

وہ بری طرح چڑچڑاتا ہوا اٹھا تھا۔

"میرے چاند! طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

شمعونہ بی بی فکرمندی سے لاڈلے بیٹے کا ماتھا چھوتے ہوئے بولیں تو وہ تنک کر بولا۔

"کیوں کیا ہوا ہے میری طبیعت کو؟ اچھی طرح جان گیا ہوں کہ آپ لوگوں نے ترس کھا کر مجھے گود لے لیا تھا۔ اب چاند کہہ کر دل نہ جلائیں میرا۔"

شمعونہ بی بی دل تھام کر رہ گئیں۔ سعدی کا انداز اور رویہ دن بدن بگڑتا ہی جا رہا ہے؟ وہ سکتے کی حالت میں کھڑی سوچ رہی تھیں کہ دادی لاٹھی ٹیکتی کمرے میں داخل ہوئیں اور سعدی کو ماں سے اُلجھتا دیکھ کر اسے ٹوکتے ہوئے بولیں۔

"لڑکے! باؤلے ہو گئے ہو؟ کیا اول فول بکے جا رہے ہو۔ غضب خدا کا۔ نہ لحاظ نہ تمیز۔ ماں سے ایسے بات کرتے ہیں؟"

سعدی کو تو جیسے پتنگے لگ گئے۔ نتھنے پھلا کر بولا۔

"دادی اماں! آپ کی رنگت بھی امی ابا کی طرح صاف اور کھلتی ہوئی ہے۔ بس ایک میں ہی کالا بھجنگ دِکھتا ہوں۔ ثابت ہوا کہ میں لے پالک ہوں۔"

سعدی ماں اور دادی کے لاکھ روکنے پر نہ رکا اور پیر پٹختا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔

------☆------

سعدی نے ضد کر کے اسکول سے اپنا نام کٹوا کر نئے اسکول میں داخلہ لے لیا تھا۔ بلی کو دیکھ کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے حقیقت بدل تو نہیں جاتی۔

سعدی اپنی دانست میں یہی سمجھ بیٹھا تھا کہ نئے اسکول میں کوئی بھی اس کی کالی رنگت کا مذاق نہیں اڑائے گا۔ مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اسکول کے پہلے ہی دن اسمبلی کے دوران قطار میں کھڑے ایک گول مٹول سرخ سپید رنگت کے لڑکے نے کالا کہہ کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔ لڑائی جھگڑا، تلخ کلامی اور پھر اسکول کی چھٹی۔

اپنے خراب رویہ اور احساسِ کمتری سے نپٹنے کا حل سعدی نے ایک مرتبہ پھر اسکول بدلنے میں ہی نکالا۔ سعدی کے نزدیک مسئلے کا واحد حل اسکول سے نام کٹوانا ہی تھا۔ نئے اسکول میں داخلہ کی ضد، نئی جگہ۔ نئے لوگ۔ لیکن چار دن کی چاندنی پھر وہی اندھیری رات کے مصداق چند دن گزرے نہ تھے کہ جماعت میں کسی نے کالا کلوٹا، کالا کوا کہہ کر پکارا اور سعدی نے اسکول کو خیر آباد کہہ دیا۔

------☆------

یہ نیا سکول تھا اور گھر سے کافی فاصلے پر تھا۔ آنے جانے میں بہت وقت لگتا، دھوپ میں آنے جانے کی وجہ سے اب تو اس کی جلد اور زیادہ سیاہ محسوس ہونے لگی تھی۔ اس پہ طرہ یہ کہ وہ ہر وقت جلتا کڑھتا ہی رہتا تھا یعنی کہ ایک تو کریلا اوپر سے نیم چڑھا۔ اس کا مزاج دن بدن بد سے بدترین ہوتا جا رہا تھا۔ گھر میں سبھی سخت پریشان تھے کہ آخر سعدی کے ساتھ ایسا کیا کیا جائے کہ اس کے اندر سے یہ احساسِ کمتری کا بھوت اتر جائے۔ کیا ان کی دعا جلد شرفِ قبولیت حاصل کرنے والی تھی؟

------☆------

اس نئے اسکول میں ایک بات ایسی تھی جس نے سعدی کو اس سکول میں جمے رہنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ تھے سر محمود الحسن۔ وہ تو بالکل سعدی جیسے دِکھتے تھے۔ سعدی جیسا، رنگ و روپ۔ سعدی نے دل میں سوچا۔ یہاں تو خوب بنے گی، اب مجھے کوئی کچھ کہہ کر دکھائے اگر کوئی مجھے کچھ کہے گا تو پھر سر محمود ہیں نا جب ان کا کوئی

مذاق نہیں اڑاتا تو میرا کیوں اڑائے گا؟
یہ سعدی کی خوش فہمی تھی۔

------☆------

سر محمود الحسن کیمسٹری کے استاد تھے۔ آج جب وہ جماعت نہم میں داخل ہوئے تو ان کو دیکھ کر کسی بھی طالب علم نے کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔

سعدی شدت سے منتظر ہی رہا کہ کوئی تو ہم جماعت ان کا مذاق اڑائے گا۔

"چلو ٹھیک ہے ان کا رعب ہی سہی مگر سر جھکا کر یا پیچھے منہ کر کے کوئی تو ان کی ہنسی اڑائے گا۔"

مگر نہ جی آغاز سے لے کر اختتام تک ایک بہت ہی پُرسکون اور خوبصورت ماحول رہا۔ سب نہایت دلجمعی اور دلچسپی کے ساتھ انہیں سنتے رہے۔ جماعت میں کسی بھی قسم کی بدنظمی نہیں ہوئی۔ گھنٹہ بجنے پر سر کے کمرۂ جماعت سے باہر جانے کے بعد لیکچر پر تبادلۂ خیال کرنا شروع کر دیا گیا تھا۔ سعدی کو کچھ عجیب سا لگا۔ یہ کیا، نہ انہوں نے سر کے بارے میں کوئی رائے کا اظہار کیا اور نہ ہی مجھے دیکھ کر کسی بھی قسم کا کوئی برا ردعمل ظاہر کر رہے ہیں۔

اس انوکھے رویے سے سعدی کے دل میں کُھد بُد ہونے لگی۔ وہ بجائے اس کے خوش ہوتا، ان کے ساتھ گھل مل جاتا الٹا مشکوک ہو گیا اور بدگمان ہو کر مزید فضول اور بے کار باتیں سوچنے لگا۔

وہ یہاں نیا تھا، سب لڑکے مل کر کھیل رہے تھے، آپس میں چھیڑ خانیاں کر رہے تھے۔ انہوں نے ہنسی مذاق میں سعدی کو بھی شامل کرنا چاہا مگر یہ کیا سعدی بالکل لاتعلق بنا منہ بسورے بیٹھا رہا۔ سعدی کے نئے ہم جماعت حیران تھے کہ اسے کیا ہوا؟ مگر وہ بے چارے کیا جانیں کہ وہ تو ایسا ہی ہے، نک چڑا، تنک مزاج، احساس کمتری کا شکار۔

اوہو! جس بات کا خدشہ تھا وہ ہو چلی، کلاس میں ایک لڑکے نے فقرہ اچھالتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ جناب کی شکل نہ صورت اور مزاج دیکھو شاہانہ"

اس ذرا سی بات پر سعدی میاں کا مزاج اتنا خراب ہوا کہ وہ اس بات پر لڑنے مرنے پر اتر آیا۔

لڑکوں نے "نیو ایڈمیشن ہے چھوڑ دو، رہنے دو" کہہ کر ہاتھا پائی رکوائی۔ وہ تو بھلا ہو چوکیدار بابا کا جنہوں نے چھٹی کا گھنٹہ بجا دیا اس لیے بات اگلے دن پر ٹل گئی۔ سعدی نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ کسی صورت میں سکول نہیں جائے گا۔ ماں، باپ انتہائی پریشان اور فکرمند تھے۔

سعدی بڑا ہو گیا تھا۔ وہ اس پر غصہ کرتے ہوئے احتیاط کرتے تھے کہ اکلوتی اولاد ہے کہیں زیادہ سختی اسے ہم سے بدظن نہ کر دے۔ اس لیے

وہ مجبوراً سختی تو بہت دور کی بات پھول کی چھڑی بھی مارتے ہوئے احتیاط سے کام لیتے تھے اور اسی نرمی کا وہ ناجائز فائدہ اٹھاتا۔ سکول جانا، پڑھنا لکھنا یہ اسے قبول نہیں تھا، لہٰذا ماں باپ کے لاکھ سمجھانے پر وہ اگلے دن اسکول نہیں گیا۔

------☆------

"اے جی! کب سے آپ کے فون کی بیل بج رہی ہے۔" شمعونہ بی بی نے توجہ دلائی تو وہ چونک اٹھے۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

"جی ہاں! مسعود برکت بات کر رہا ہوں۔"

"کون ایم حسن؟"

"اچھا، اچھا"

"فرمائیے"

"کل؟ جی ٹھیک ہے۔"

"اللہ حافظ"

"کس کا فون تھا جی؟" شمعونہ بی بی تولیے سے ہاتھ خشک کرتی چلی آئیں۔

"سعدی کے اسکول سے فون تھا۔ آپ کا لاڈلا وہاں بھی اپنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کر کے آیا ہے۔"

مسعود صاحب کے اعصاب شل ہو گئے تھے وہ ضبطِ کمال کی حد تک جا پہنچے تھے۔ بوڑھی ماں کی دیکھ بھال، گھر کی ذمے داریوں کا بوجھ اور اپنی بیماری نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا مرے ہوئے پر سو درے کے مصداق سعدی نے بھی انہیں ذہنی اذیت دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر انگلیوں سے کنپٹی دباتے ہوئے سسک رہے تھے۔

شمعونہ بی بی کا دل گویا حلق میں آ گیا۔ وہ ہمیشہ کی طرح دل کی گہرائیوں سے دعا مانگنے لگیں۔

اے اللہ! میرے سعدی پر کرم فرما۔

------☆------

آج صبح سعدی پھر سے اسکول نہیں گیا تھا۔ رات بھر امی بابا کی باتیں اس کے کانوں میں گونجتی رہیں۔ نیند کیسے آتی؟ فجر کی نماز پڑھ کر وہ لمبی تان کر سو گیا۔ وہ اس قدر چڑچڑا ہو گیا تھا کہ گھر میں دادی، امی یہاں تک بابا بھی اسے مخاطب کرتے ہوئے کتراتے تھے۔ عصر کے وقت اس کی آنکھ کھلی۔ بھوک سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے سیدھا باورچی خانے میں چلا آیا۔ چائے بن رہی تھی۔ وہ تھوڑا حیران ہوا۔ مہمان خانے سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مہمان خانے کی طرف کھنچا چلا گیا۔

------☆------

سر محمود، بابا کے ساتھ بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے۔

"اوہ! یہ میرے سر، میرے گھر میں،

بقیہ صفحہ 29 پر



"ٹھک ٹھک" ان کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

دعاء مانگ کر انہوں نے دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے اور بولے:

"آجاؤ!"

اجازت ملتے ہی بلال اپنے دوستوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم دادا جان!"

بچوں کی پرجوش آوازیں سن کر وہ مسکرائے

"وعلیکم السلام بچو! کیسے ہو سب؟" انہوں نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔ وہ عصر کی نماز ادا کر چکے تھے۔

"ٹھیک ہیں دادا جان!"

"خیریت ہے؟"

"جی! بس دل چاہ رہا تھا، اس لیے ہم چلے آئے۔" بلال نے سب کی جانب سے جواب دیا۔

وہ لوگ جانتے تھے کہ عصر کی نماز کے بعد دادا جان مصروف نہیں ہوتے۔

"شاباش! چلو سب بیٹھ جاؤ! کیا میں آج وہ سناؤں جسے اللہ تعالیٰ نے "احسن القصص"، یعنی تمام قصوں میں سب سے اچھے قصہ کا درجہ دیا۔"

"ہیں واقعی۔۔۔ ایسا کیا ہے؟"

"قصہ ہے حضرت یوسف علیہ السلام کا۔ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لاڈلے بیٹے تھے۔ حضرت یوسف کے بارہ بھائی تھے۔ ان میں سے صرف حضرت بنیامین آپ کے حقیقی بھائی تھے۔ حضرت یوسف کی پیشانی پر نبوت کے نشان کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے سات برس کی عمر میں خواب دیکھا۔"

"کیا سچا خواب تھا؟" بلال نے جھٹ سے پوچھا۔ دادا جان مسکرا دیئے۔

"آپ نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور چاند سورج ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے

جب یہ خواب اپنے والد کو سنایا تو انھوں نے کہا پیارے بیٹے! خبردار اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، ورنہ وہ حسد میں تمہارے خلاف کوئی چال چل دیں گے۔"

دادا جان بولے اور سب بچوں کو تجسس سے اپنی جانب دیکھتا پایا۔

"پھر کیا ہوا دادا جان؟ کیا ان کے بھائی حسد کرنے لگے؟" علی نے جھٹ سے سوال کیا۔

"جی! سب بھائیوں نے منصوبہ بنایا کہ حضرت یوسف کو جنگل کے کنویں میں ڈال آئیں۔ منصوبے کی تکمیل کے لیے سب بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس گئے۔ شکار اور تفریح کا بہانا گھڑا۔ منت سماجت کر کے حضرت یوسف کو کندھوں پر بٹھا کر گھر سے لے آئے۔ جنگل میں پہنچ کر ان کو زمین پر پٹخا اور بہت مارا۔ پھر ان کا کرتا اُتارا اور ہاتھ پاؤں باندھ کر گہرے کنویں میں گرا دیا۔"

دادا جان رکے تو حمزہ نے پریشانی سے سوال پوچھا:

"تو کیا وہ ڈوب گئے؟"

"نہیں! اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام فوراً کنویں میں آئے۔ انھیں غرق ہونے سے بچایا اور کنویں میں موجود ایک پتھر پر بٹھا دیا۔ آپ کے ہاتھ پاؤں کھولے اور دلاسہ دیا۔ گھر سے چلتے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک کرتا تعویز بنا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈالا تھا۔ حضرت جبرئیل نے وہ نکال کر انھیں پہنا دیا۔ جس سے اندھیرے کنویں میں خوب روشنی ہو گئی۔ وہ کرتا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔"

"اوہ! تو حضرت یوسف کے بھائیوں نے گھر جا کر اپنے والد کو کیا بتایا؟" سوال پوچھنے والا عمر تھا۔

"حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے کرتے کو بکری کے خون سے آلودہ کیا۔ گھر کے باہر پہنچتے ہی واویلا کرنے لگے کہ یوسف کو ایک بھیڑیا کھا گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب کرتا غور سے دیکھا تو کہنے لگے، بڑا ہوشیار اور سیانا بھیڑیا تھا کہ میرے یوسف کو کھا گیا مگر کرتے پر خراش بھی نہ آئی۔ پھر دکھی دل اور درد بھری آواز میں فرمایا:

"اب تو میرے لیے صبر ہی بہتر ہے۔ اور جو باتیں تم بنا رہے ہو، ان پر اللہ ہی کی مدد درکار ہے۔"

"کیا پھر حضرت یوسف کنویں میں ہی رہے؟" بلال نے بے چینی سے پوچھا

"تین دن بعد اتفاق سے ایک قافلہ وہاں سے گزرا۔ قافلے کے ایک آدمی نے پانی بھرنے کے لیے کنویں میں ڈول پھینکا تو حضرت یوسف علیہ السلام ڈول سے لٹک کر باہر نکل آئے۔ کنواں کھارے پانی کا تھا مگر آپ کی برکت سے اس کا

پانی میٹھا ہو گیا تھا۔ آپ کے بھائیوں نے جب کنویں میں آپ کو نہ دیکھا تو تلاش کرتے ہوئے قافلے تک جا پہنچے۔

آپ کو دیکھتے ہی کہنے لگے یہ تو ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔ پھر آپ کو بہت دور لے جانے کی شرط رکھ کر بیس درہم میں فروخت کر دیا۔ تب آپ نوعمر اور بہت حسین صورت کے مالک تھے۔ مصر کے بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے وزن کے برابر سونا اور چاندی دے کر آپ کو خرید لیا۔ مگر حالات کچھ ایسے ہوئے کہ آپ پر تہمت لگائی گئی۔ بے گناہ تھے مگر قید میں ڈال دیا گیا۔ اس پر آپ نے اللہ سے کوئی گلہ شکوہ نہ کیا اور صبر کیا۔''

''یعنی آپ پر ایک کے بعد ایک مشکل آتی رہی۔'' بلال نے تاسف سے کہا۔ باقی بچوں کے چہروں پر بھی تشویش واضح تھی۔

''بالکل! مگر آپ نے اللہ پر بھروسا کیا اور صبر کا دامن تھامے رکھا۔ حضرت یوسف خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے تھے۔ جیسا آپ بتاتے ویسا ہو جاتا۔ ایک بار انھوں نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتائی کہ سات سال خوب اناج اگائیں۔ اگلے سات برس خشک سالی رہے گی۔ سب جمع شدہ اناج کھائیں گے پھر ایک سال آئے گا جس میں خوب بارشیں ہوں گی۔ بادشاہ نے یہ تعبیر سن کر آپ کو قید سے رہا کرنے کا حکم دیا۔ آپ سات برس قید میں رہے تھے۔ وزراء سے مشورہ کرنے کے بعد بادشاہ نے آپ کو مصر کے خزانے اور پورے ملک کا نظام سنبھالنے کی ذمہ داری سونپ دی۔''

''ارے واہ! یعنی آپ کو قید سے رہائی مل گئی۔ تو پھر کیا ویسا ہوا جیسا آپ نے بتایا تھا؟'' حمزہ نے جھٹ سے پوچھا۔

''ایسا ہی ہوا بچے! حضرت یوسف سات برس تک کھیتی کر کے اناج محفوظ کرتے گئے۔ جب قحط اور خشک سالی زور پکڑ گئی تو سلطنت کے لوگ اناج کے لیے آپ کے پاس آنے لگے۔ جب آپ کے بھائی غلہ لینے آئے تو آپ نے انھیں دیکھتے ہی پہچان لیا مگر وہ پہچان نہ پائے۔ آپ نے انھیں غلہ دیا اور کہا کہ آئندہ اپنے بھائی بنیامین کو ساتھ لانا ورنہ تمھیں غلہ نہیں ملے گا۔ غلاموں نے آپ کے حکم کے مطابق ان لوگوں کی رقم بھی بوریوں میں ڈال دی تھی۔ بھائیوں نے بوریوں میں رقم دیکھی تو حیران رہ گئے۔''

''پھر انھوں نے کیا کہا؟'' بلال نے سوال کیا۔

''واپس جا کر وہ کہنے لگے، ابا جان! دیکھ لیجیے عزیز مصر نے غلہ پورا دیا اور ہماری نقدیاں بھی واپس کر دیں۔ لہذا آپ بے فکر ہو کر بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک بار یوسف کے معاملہ میں تم لوگوں پر بھروسہ کیا تھا۔ اگر حلف اٹھا لو، عہد کرو تو پھر بھیج سکتا ہوں۔ بھائیوں نے حلف اٹھا لیا اور

بنیامین کو لیے عزیز مصر کے دربار میں جا پہنچے۔''

دادا جی نے وقفہ لیا اور پاس پڑے پانی کے گلاس سے چند گھونٹ بھرے۔ سب بچے پرتجسس نظروں سے دادا جان کو دیکھتے رہے کہ نجانے وہ آگے کیا بتائیں۔

''حضرت یوسف نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام بھائیوں کی بوریاں اناج سے بھروادیں اور بنیامین کے سامان میں شاہی پیالہ رکھوا دیا۔ یکا یک شور اٹھا کہ شاہی پیالہ چوری ہو گیا ہے۔ تلاشی کے دوران بنیامین کے سامان سے شاہی پیالہ مل گیا۔ سزا کے طور پر بنیامین کو اب حضرت یوسف کے یہاں رہنا تھا۔''

''اس کا مطلب کہ حضرت یوسف نے جان بوجھ کر اپنے سگے بھائی کو روکنے کی تدبیر کی تھی۔'' علی نے پرسوچ انداز میں کہا۔ دادا جی زیرلب مسکرا دیے۔

''اس میں اللہ پاک کی حکمت پوشیدہ تھی۔ پھر یہ ہوا کہ حضرت یوسف کے بھائی سخت پریشان ہو گئے کہ والد سے عہد کیا تھا۔ سب سے بڑا بھائی جس کا نام یہودا تھا اس نے کہا کہ اس سے پہلے یوسف کے ساتھ کوتاہی کر چکے ہیں۔ اب میں یہاں سے نہیں جاؤں گا یا والد صاحب آئیں یا اللہ تعالیٰ اس معاملے کو حل فرما دیں!''

باقی سب بھائی گھر لوٹے اور اپنے والد سے سارا حال بیان کر دیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

''یوسف کی طرح بنیامین کے معاملے میں بھی تم لوگ حیلہ بازی کر رہے ہو۔ میں صبر کرتا ہوں اور صبر بہت اچھی چیز ہے۔ آپ حضرت یوسف کو یاد کر کے اتنا روئے کہ غم سے نڈھال ہو گئے۔ روتے روتے آنکھوں کی بینائی چلی گئی۔''

لمبی بات کے اختتام پر دادا جان نے سانس بحال کرنے کے لیے پھر پانی کا وقفہ لیا۔ سب بچے انھیں دل چسپی سے دیکھتے رہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی ''آگے کیا ہوا'' پوچھتا، وہ خود ہی آگے بتانے لگے۔

''حضرت یوسف کے بھائی پھر مصر روانہ ہوئے اور عزیز مصر کو حال سے آگاہ کیا۔ گھر کے حالات سن کر حضرت یوسف علیہ السلام افسردہ ہوئے اور بھائیوں سے پوچھا:

''یاد ہے تم لوگوں نے یوسف اور بنیامین کے ساتھ کیا سلوک کیا؟''

بھائی حیران ہوئے۔ پوچھا، کیا آپ یوسف علیہ السلام ہیں؟ آپ نے کہا، ہاں میں یوسف ہوں اور بنیامین میرا بھائی۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا۔ بھائیوں کو نہایت شرمندگی ہوئی۔ بولے ہم بڑے خطا کار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر بڑی فضیلت بخشی ہے۔ پھر آپ نے کھلے دل سے اپنے بھائیوں کو معاف فرما دیا۔''

''کیا۔۔۔جنھوں نے اتنے ظلم کیے انھیں

ایسے ہی معاف کر دیا؟'' قریباً سبھی بچوں نے حیرانی کا اظہار کیا۔

''یہی سچ ہے۔ حضرت یوسف نے اپنے بھائی یہودا کو اپنا کرتا دیا کہ اباجان کے چہرے پر ڈال دینا۔ ان کی آنکھوں کی روشنی لوٹ آئے گی۔ اس کے بعد سب گھر والوں کو لے کر مصر چلے آنا۔ یہودا خوشی کے مارے کرتا لے کر بھاگا تاکہ جلد از جلد گھر پہنچ سکے۔ گھر پہنچ کر جیسے ہی کرتے کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا، فوراً ہی ان کی آنکھوں کی روشنی لوٹ آئی۔ پھر یعقوب علیہ السلام نے اپنے سب بیٹوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کر لی۔ حضرت یعقوب اہل وعیال کے ساتھ مصر روانہ ہوئے۔ کل بہتر یا تہتر آدمی تھے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام مع اہل وعیال مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام چار ہزار کا لشکر لیے آپ کے استقبال کو موجود تھے۔''

''دادا جان! جب حضرت یوسف اتنے برس بعد اپنے والد سے ملے تو بہت خوش ہوئے ہوں گے نا؟'' حمزہ نے معصومیت سے سوال کیا۔ سبھی مسکرا دیے۔

''بالکل! باپ بیٹے آپس میں بہت گرم جوشی سے ملے۔ خوشی کے مارے دونوں خوب روئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد محترم کو شاہی تخت پر بٹھایا۔ پھر گیارہ بھائی اور آپ کی والدہ آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ سبھی حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔ حضرت یوسف کہنے لگے:

''بے شک میرا خواب سچا تھا۔ میرے گیارہ بھائی ستارے، میرے والد سورج اور میری والدہ چاند۔۔۔ اور یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ تاریخی واقعہ محرم کی دس تاریخ، عاشورہ کے دن وقوع پذیر ہوا تھا۔''

''حضرت یوسف نے سات سال کی عمر میں جو خواب دیکھا، اس کی تعبیر اتنے سالوں بعد سچی ہوئی۔'' عمر نے حیرانی سے کہا تو دادا جان بولے۔

''بے شک! اسی میں ہی اللہ پاک کی حکمت تھی۔ قرآن پاک میں سورۃ یوسف ہے۔ اس سورۃ کو ترجمے کے ساتھ آپ سب خود بھی ضرور پڑھنا۔''

''ٹھیک ہے دادا جان۔'' سبھی بچوں نے سر ہلایا۔

''اچھا اب ایک ایک کر کے بتاؤ کہ اس قصے سے کیا سیکھا۔''

''بھائیوں کو ایک دوسرے کو تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ حسد نہیں کرنا چاہیے۔'' بلال نے جھٹ سے جواب دیا۔

''کسی پر تہمت نہیں لگانی چاہیے۔'' علی دھیرے سے بولا۔

''ظلم کرنے والا شرمندہ ہو تو اسے معاف کر

دینا چاہیے۔'' حمزہ نے بتایا۔

''پریشانی اور تکلیف میں صبر کرنا چاہیے۔ اللہ کی ناشکری نہیں کرنی چاہیے۔'' عمر نے سب سے آخر میں پرسوچ انداز میں جواب دیا۔

''شاباش میرے بچو! آپ سب نے بہت اچھے سے سننے اور سمجھنے کی کوشش کی۔

اللہ پاک میرے بچوں کی سمجھ اور عقل میں اضافہ کرے۔ آمین

چلو اب مغرب کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ باقی باتیں پھر کبھی۔'' دادا جان نے فرداً فرداً سب کو پیار کرتے ہوئے جانے کی اجازت دی۔

''ٹھیک ہے دادا جان۔ بہت شکریہ!'' بچے دادا جان کے کمرے سے نکلے تو بہت خوش لگ رہے تھے۔

آج انھوں نے بہت کچھ سیکھا تھا۔

------☆------

مچھر...... حقیر حشرہ، دبنگ دشمن

مچھر ہے تو ننھا سا کیڑا مکوڑا، مگر انسان کا ایک عظیم ترین اور بدترین دشمن ہے۔ اس اہم حشرے اور باقی حشرات الارض میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ مچھر کے پر تعداد میں صرف دو ہوتے ہیں۔ ہوائی جہاز کے پروں کی طرح مچھر کے پر اسے اڑنے اور ہوا میں آسانی اور آزادی سے ادھر ادھر گھومنے پھرنے اور مڑنے میں مدد دیتے ہیں۔ پروں سے بھنبھناہٹ کی آواز نکالتے وقت مچھر انہیں ایک سیکنڈ میں تقریباً ۶۰۰ دفعہ ہلاتا ہے۔ ارتقائی عمل کے دوران اس کے پروں کا دوسرا جوڑا سکڑ کر اب تک اتنا چھوٹا ہو چکا ہے کہ اب یہ صرف سہارا لینے کا کام ہی دیتا ہے۔

(حبیب اللہ)



"ہمم ۔۔۔تو تم اب مجھے تبلیغ کرنے آئے ہو!"

خلاف توقع وہ آج کچھ نرم تھا ۔ امجد کی آنکھوں میں چمک آ گئی ۔امجد جو سلیم کا جگری یار، لنگوٹیا، عزیز، دوست اور سب کچھ ہی تھا، قادیانی ہو چکا تھا۔اس کے قادیانیت کے مکروہ جال میں پھنسنے پر اس کے پورے خاندان پہ قیامت ٹوٹ پڑی تھی ۔اس کے والد نے اسے راہ راست پہ لانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا۔

کئی علماء کرام سے ملوانے کی کوشش کی۔ خود کئی کئی گھنٹے بیٹھ کر اسے سمجھایا۔مگر اسے ماننا تھا نہ مانا۔کیونکہ اس نے اب دماغ کو خیر باد کہہ دیا تھا اور پیٹ سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔

قادیانی ہونے کی صورت میں اسے گاڑی کے ساتھ ساتھ ماہانہ ایک لاکھ روپے مل رہے تھے ۔اس کے امیر نے اس سے کہا تھا، دو سال بعد اس کی تربیت مکمل ہو جائی گی اور وہ اسے اپنا نائب بنا کر شہر کے مہنگے علاقے میں بنگلہ الاٹ کر دیں گے۔تب ایک رات وہ چپ چپاتے اپنے گھر سے نکل گیا۔

بربادی کی اس داستان کو اب دو سال پورے ہو گئے تھے ۔نائب بنتے ہی امجد نے قادیانیت پھیلانا شروع کر دی تھی۔پچھلے ایک ماہ سے وہ تین چکر سلیم کے گھر کے لگا چکا تھا۔دو بار تو اس نے دھکے دے کر اسے نکال دیا مگر خلاف معمول آج وہ کچھ نرم پڑ گیا تھا۔

"ہاں ناں! آخر تم میرے دوست ہو۔"

امجد مسکراتے ہوئے بولا تو سلیم سوچوں کے

گرداب سے باہر نکل آیا۔

"گڈ۔۔۔بیٹھو!" اس نے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔

"مجھے ایک چیز دکھادو۔" اس کے بیٹھنے کے بعد سلیم بولا ۔

"کیا؟" امجد نجانے کیوں کچھ گھبرا سا گیا۔

اس کی گھبراہٹ دیکھ کر معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے سلیم اٹھا اور الماری کی جانب بڑھ گیا۔ الماری کا ایک پٹ کھول کر اس نے کپڑے میں لپٹی کوئی چیز نکالی، الماری بند کی اور سکون سے وہ چیز لا کر سامنے میز پہ رکھ دی۔

"میں سمجھا نہیں۔" امجد نے اپنی گھبراہٹ پہ قابو پاتے ہوئے کہا۔

"سمجھ تو گئے ہو۔" سلیم ایک بار پھر مسکرایا۔

"ہاں بھائی! تمہارے مرزا غلام قادیانی نے ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ 77 مندرجہ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 140 پہ لکھا ہے کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے۔ مکہ، مدینہ اور قادیان۔"

وہ سانس لینے کو رکا۔

"ہاں۔۔ ہاں بالکل لکھا ہے۔" امجد کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔ بات تو اس کے مطلب کی تھی۔

"تو تم ذرا وہ مجھے۔۔۔۔" سلیم نے کہتے کہتے اس چیز کا اوپری کپڑا اٹھایا اور امجد اس پہ نظر پڑتے ہی دھک سے رہ گیا۔

"تم مجھے قادیان کا نام قرآن میں دکھادو!" سلیم نے بات پوری کر کے سامنے موجود چیز کی طرف اشارہ کیا جو ایک خوبصورت کتاب تھی۔

"مم مگر یہ تو قرآن ہے۔" امجد منمنایا۔

"ہاں بھائی قرآن میں ہی تو لکھا ہے تمہارے بقول۔"

"از۔۔۔ازالہ اوہام میں لکھا ہے۔" امجد نے تھوک نگلا۔

"تو یہ بکواس وہاں کس لیے لکھی ہے اگر قرآن سے ثابت نہیں ہو سکتی؟" سلیم نے ایک دم غصے میں آتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتی ہے ثابت لیکن ازالہ اوہام سے۔"

امجد اب پورا ڈھیٹ بن چکا تھا۔ اسے اپنی ساری سیکھی ہوئی ٹرکس یاد آ گئی تھیں جو اس کے "بڑے حضرت" نے سکھائی تھیں۔

"ازالہ اوہام قرآن ہے؟ ہاں؟ ہمیں بیوقوف بناتے ہو؟" سلیم اب شدید غصے میں تھا۔

"قرآن کا ثبوت ہے" امجد نے ایک اور مکاری زبان سے نکالی۔

"مسٹر! اگر یہ بات قرآن میں لکھی ہے تو اس قرآن میں سے ہی دکھانا ہوگی۔" سلیم نے قرآن مجید پہ ہاتھ رکھا۔

"یہاں تو یہ بات ظلی طور پہ لکھی ہے۔"

"چلو ظلی طور پہ ہی دکھادو!"

"ظل کی کوئی ٹھوس شکل نہیں ہوتی۔" امجد اب پورا عیار بن چکا تھا۔

"تو اس کی اصل شکل کہاں ہے؟ تمہارے پیٹ میں؟ ڈالرز کی صورت میں؟"

"دیکھو میرے دوست! تم خواہ مخواہ غصہ کر رہے ہو" امجد ایک اور ٹرک پہ آیا۔

"دوست نہیں، ظلی" سلیم بولا۔

"ظلی دوست ہوں میں تمہارا۔ اصلی نہیں۔ تمہارا تو نبی تک ظلی ہے تو پھر تمہاری ہر چیز ظلی ٹھہری۔ تمہارا مذہب بھی ظلی، تمہارا شناختی کارڈ بھی ظلی، تمہاری شکل بھی ظلی۔ رہا تمہارا اصل خاکہ، وہ تمہاری خواہشات میں کہیں گم ہو چکا ہے۔"

"تم تو یونہی بس۔۔۔" امجد نے کچھ کہنا چاہا مگر سلیم نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی اور بولا۔

"ارے ہاں یاد آیا۔ تمہارے غلام قادیانی نے کہا تھا ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ تو اب اس بات کی اصل شکل تو قرآن میں سے دکھانا ضروری ہے ناں!"

"تم خواہ مخواہ ایک بات کے پیچھے پڑ گئے ہو۔" امجد آخر روہانسا ہو ہی گیا۔

"نہیں پڑتا۔ نہیں پڑتا" سلیم نے ایک دم نرمی دکھائی۔

"تم لاجواب ہو ہی گئے ہو تو مجھے ایک اور بات کا جواب دے دو۔ تمہارے غلام قادیانی نے اربعین نمبر 3، صفحہ 17، مندرجہ روحانی خزائن، جلد 17، صفحہ 404 میں لکھا ہے۔

"ضروری تھا کہ قرآن اور احادیث کی وہ پیشگوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو

1) اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔

2) وہ اس کو کافر قرار دیں گے۔

3) وہ اس کے قتل کا فتویٰ جاری کریں گے۔

4) اس کی سخت توہین ہوگی۔

5) اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور دین کو تباہ کرنے والا خیال کیا جائے گا۔

تم مجھے یہ پانچوں پیشین گوئیاں قرآن و حدیث میں سے دکھا دو اور تمہارا یہ شعبدہ اب بھی نہیں چلے گا کہ وہیں لکھا ہے۔"

"میں چلتا ہوں۔" امجد ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا

"چلتا ہوں نہیں، بھاگتا ہوں کہو۔ تم ہار مان کے میدان سے بھاگ رہے ہو۔"

سلیم نے کہا مگر امجد کوئی جواب دیے بغیر تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا اور باہر نکل گیا۔

بس اس دن کے بعد سے قادیانی کسی مسلمان کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرتے۔ آن لائن ہی قادیانیت پھیلاتے ہیں۔

------☆------



میں کیوں نہ روؤں

بنت عبداللہ

میں کمبخت اس بار بھی بھول گیا تھا۔ وہ تو منے نے مجھے یاد دلایا تھا۔ اس رات میں بہت دیر سے دکان سے گھر لوٹا تھا۔ اس وقت بیگم سمیت بچے بھی سو چکے تھے۔ انہیں اٹھانے پر وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھیں اور گھڑی دیکھتے ہوئے حیرانی سے بولیں۔

”ارے آج پھر اتنی دیر کردی آپ نے۔“

”بھئی سارا دن کام نہیں تھا۔ کام ہی لیٹ آیا تو دیر تو ہونی ہی تھی۔ خیر تم کھانا دو!“

ہماری آوازیں بہت آہستہ تھیں، مگر محمد علی شاید سویا نہیں تھا اسی لیے میری آواز سے آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

”بابا آپ میرا پاکستان لائے۔“ اس نے مجھے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

”اوہو بیٹا! میں بھول گیا، کل ضرور لادوں گا۔“ میں نے بناوٹی انداز میں اپنا سر پکڑتے ہوئے افسوس سے کہا۔

”آپ کل بھی بھول گئے تھے اور آج بھی، سب کے گھر میں پاکستان آگیا ہے۔ ہشام نے اپنے گھر پر لگا بھی لیا ہے اور آپ مجھے لا کر نہیں دے رہے ہیں۔“ منے نے روہانسی شکل بناتے ہوئے کہا۔

”بھئی کل تو ضرور لادوں گا، وعدہ۔“ میں نے اپنے معصوم بچے کی ناراضگی، اس کے بھولے پن سے بھانپ گیا تھا۔ میں نے وعدہ کرتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔

''آپ اگر کل نہیں لائے تو میں آپ سے بات نہیں کروں گا۔'' اس نے خفا ہونے کے سے انداز میں کہا اور کروٹ بدلتے ہی سو گیا۔

دوسری صبح منے نے اسکول جانے سے پہلے مجھے دو دو روپے کے دو سکے دیے اور بولا۔

''بابا! آپ یہ پیسے رکھ لیں، مجھے جھالر ضرور لاکر دیجئے گا۔ وہ میرے پاکستان پر بہت اچھی لگے گی اور میں تایا ابو سے بڑی سی لکڑی لے آیا ہوں۔ وہ میں اپنے پاکستان میں لگا دوں گا۔''

پاکستانی جھنڈے سے منے کی محبت دیکھتے ہوئے میرا دل بڑا ہو گیا تھا۔ میں نے پیار سے اس کے سکے اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

''تم یہ پیسے رکھ لو، میں جھالر ضرور لے آؤں گا۔''

''بابا! آپ بھولنا نہیں۔'' منے نے مجھے دوبارہ تنبیہ کی اور اسکول چلا گیا۔

آج بھی سارا دن دکان پر مکھیاں مارتے ہوئے گزر گیا۔ صبح سے دوپہر اور شام سے آٹھ بجے تک کوئی کام نہ آیا، پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ عشاء سے ذرا پہلے ایک گاڑی بننے کے لیے آ گئی۔ اس کام میں رات کے بارہ بج گئے، رات بارہ بجے جب میں تھکا ہارا گھر واپس پہنچا تو بھوک سے بے حال تھا۔ بیگم نے فوراً کھانا لاکر دیا۔ ابھی میں پہلا نوالہ کھانے ہی والا تھا کہ بیگم نے پوچھا۔

''جی وہ منے کے لیے جھنڈا لے آئے۔''

''بیگم! میں پھر بھول گیا۔'' میں نے شرمندگی سے کہا۔

''دیکھو خیال رکھنا، کہیں منا ابھی اٹھ نہ جائے۔''

''ابھی چوک میں دکانیں کھلی ہوں گی۔ آپ ابھی جھنڈا لے آئیں۔ میں نے ابھی تو اسے بہلا پھسلا کر سلا دیا ہے۔''

بیگم کا کہنا درست تھا۔ میں تھکاوٹ سے چور اور بے حال تھا، مگر منے کی خواہش کو بھی تو میں نے پورا کرنا تھا۔ اسی لیے میں نے جلدی سے کھانا کھایا اور فوراً ہی چوک پر چلا آیا۔ پھر ایک بڑا سا پاکستانی جھنڈا اور دو بیج لے کر فوراً ہی گھر واپس چلا آیا اور آتے ہی مطمئن ہو کر سو گیا۔

دوسری صبح محمد علی نے پھر سے جھنڈے کا تقاضا کیا تو میں نے اپنے ہاتھوں سے اسے جھنڈا دیا۔ جھنڈا پا کر وہ خوشی سے پھولے نہ سمایا۔ میں نے ایک بیج اس کے اسکول یونیفارم پر لگا دیا، پھر اس نے جھنڈا سنبھال کر کہیں چھپا کر رکھ دیا اور خوشی خوشی اسکول چلا گیا۔

دوسری صبح جمعے کا روز تھا، آج دکان پر جانے کی بالکل ہمت ہی نہیں تھی، اس لیے میں صبح ذرا دیر سے اٹھا اور ناشتے کے بعد گھریلو خریداری کے لیے بازار چلا گیا۔ عام دنوں میں منا اسکول سے ایک بجے تک آجاتا ہے، مگر جمعے کے روز وہ گیارہ بجے ہی اسکول سے آ گیا۔ پھر میرے سامنے ہی وہ

اپنے دوستوں کے ساتھ کھلونوں اور جھنڈے سے کھیلنے لگا۔ اس کی ماں نے جھنڈے میں ایک لکڑی لگادی تھی، اس لیے وہ اسے بار بار لہرا رہا تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی فہد اس سے جھنڈا چھیننا چاہ رہا تھا مگر محمد علی کسی طرح بھی اسے اپنا جھنڈا نہیں دے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بھابھی نے آواز دے کر مجھے بتایا کہ آپ کا فون آیا ہے۔ فون سننے کے لیے میں فوراً ہی نیچے چلا گیا۔ فون سننے کے بعد میں ابھی والدہ محترمہ سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ اچانک ہی محمد علی کے دوست اوپر سے اپنے اپنے کھلونے اور جھنڈے لیتے ہوئے نیچے کی طرف آنے لگے۔ انہیں دیکھتے ہی میں نے پوچھا۔

''ارے بھئی کیا ہوا؟''

''وہ محمد علی رو رہا ہے۔ اس نے اپنے سارے کھلونے پھینک کر ہمیں بھگا دیا ہے۔'' ہشام نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں فوراً اوپر کی طرف دوڑا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سارے کمرے اور برآمدے میں کھلونے بکھرے پڑے ہیں۔ قریب ہی فہد منہ پھاڑے بھاں بھاں کر کے رو رہا تھا۔ جبکہ محمد علی صوفے کے اوپر اوندھا پڑا بے تحاشہ رو رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کی والدہ بھی افسردہ منہ بنائے اپنے بیٹے کو بہلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مگر علی کو جیسے صبر ہی نہیں آ رہا تھا، میں نے جاتے ہی بیگم سے پوچھا۔ خیریت تو ہے کیا ہوا۔

''وہ فہد نے محمد علی کا جھنڈا اپھاڑ دیا ہے۔''

''اوہ میرے بچے! اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ ہم آپ کو دوسرا جھنڈا لا دیں گے۔ اچھے بچے کوئی روتے تھوڑی ہیں۔'' میں نے محبت وشفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''اس نے میرا پاکستان توڑ دیا ہے۔ اب میں روؤں نہیں تو اور کیا کروں۔'' محمد علی نے انتہائی سچے اور کھرے انداز میں کہا۔

مجھے یاد ہے کہ جب پاکستان حقیقی طور پر دو ٹکڑے ہوا تھا تو ہمارے اماں ابا کتنے روئے تھے۔ اس وقت یہ بچے مجھے اپنے آپ سے بڑے لگ رہے تھے جو کہ جھنڈے کے پھٹنے کو پاکستان کا ٹوٹنا سمجھتے ہوئے رو رہے تھے جبکہ ہم اس وقت کو یاد کر کے دو آنسو بھی نہیں بہا سکتے تھے!

طالبعلمی کا زمانہ

اسامہ محمود

طالب علم کو چاہیے کہ جو تھوڑا سا بھی میسر آجائے اس پر قناعت کرے اور پہننے کے لیے ضرورت کے بقدر جو مل جائے اسی کو بہت سمجھے۔ اس لئے کہ طالب علمی کے زمانے میں تنگ دستی اور تنگ دامنی پر صبر کرنا وسعت علم کا ذریعہ ہے اور دل کے شیرازے کو متفرق امیدوں اور آرزوؤں سے مجتمع رکھے، اس کی برکت سے علم وحکمت کے سدابہار چشمے پھوٹ پڑیں گے۔

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بصرہ کی راہ میں مجھے چند لڑکے ملے جو اخروٹ اور بادام سے کھیل رہے تھے ان سے علیحدہ ایک لڑکے کو دیکھا جو ان لڑکوں کو دیکھ دیکھ کر رو رہا تھا۔



میں نے اپنے دل میں کہا، شاید یہ لڑکا ان کے پاس اخروٹ و بادام دیکھ کر رو رہا ہے۔

میں نے کہا، میاں لڑکے! کیوں رو رہے ہو؟ میں تمہیں اخروٹ و بادام لے دوں گا تم ان سے کھیلنا۔

اس لڑکے نے میری طرف سر اٹھا کر دیکھا اور کہا:

''اے کم عقل! ہم کھیل کود کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔''

میں نے کہا:

''اے صاجنرادے! پھر کس لئے پیدا ہوئے ہو؟''

''خدا کی عبادت کے لئے۔'' اس نے کہا۔

''یہ کہاں سے تمہیں معلوم ہوا؟ خدا! تمہاری عمر میں برکت دے۔'' میں نے کہا۔

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''افحسبتم انما خلقنا کم عبثا و انکم الینا لا ترجعون''

(کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار محض نکما پیدا کیا ہے اور تم پھر کر ہمارے پاس نہ آؤ گے؟)

''صاجنرادے! تم تو مجھے عقلمند معلوم ہوتے ہو کچھ مختصر سی نصیحت کرو!'' میں نے کہا۔

''دنیا چل چلاؤ پر کمر بستہ آمادہ سفر ہے، نہ دنیا کسی کے واسطے رہنے والی ہے اور نہ کوئی شخص دنیا میں باقی رہے گا۔ دنیا کی زندگی اور موت انسان کے واسطے ایسی ہے جیسے دو گھوڑے تیز رفتار یکے بعد دیگرے آنے والے ہوں۔ اے دنیا کے فریفتہ! دنیا چھوڑ اور سامان سفر اس میں درست کر۔'' اس نے کہا۔

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، وہ لڑکا یہ کہہ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا اور ہاتھوں سے اشارہ کیا اور آنسو اسکے دونوں رخساروں پر موتیوں کی لڑیوں کی طرح گرنے لگے اور یہ کہنے لگا۔

اے خدا اے چارہ ساز بیکساں

اے رحیم چارہ درد نہاں
جس کسی نے بھی لگائی تجھ سے آس
پاگیا مطلب رہی دل میں نہ یاس

یہ کہہ کر وہ لڑکا بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میں نے اس کا سر اپنی گود میں اٹھا لیا اور اپنی آستین سے اس کے چہرے کی خاک صاف کی جب ہوش میں آیا۔

میں نے کہا، صاحبزادے! تمہیں کیا ہوا ہے تم تو ابھی معصوم بچے ہو۔ کوئی گناہ تمہارے نام نہیں لکھا گیا۔

اس نے کہا، بہلول! مجھے چھوڑ دو میں نے اپنی ماں کو دیکھا آگ جلانے میں جب تک چھوٹے چھوٹے تنکے گھاس پھوس بڑی لکڑیوں میں نہیں ملائیں آگ روشن نہیں ہوتی۔

میں ڈرتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ دوزخ کے ایندھن میں چھوٹی لکڑیوں کی جگہ کہیں میں نہ ہوں۔

پھر میں نے کہا، صاحبزادے! تم بڑے ہی عقلمند ہوشیار ہو۔ مجھ کو مختصر سی کچھ اور نصیحت کرو!

”افسوس میں غفلت میں رہا اور موت پیچھے آرہی ہے۔ آج نہ گیا تو کل تو ضرور ہی جانا ہے۔ دنیا میں اپنے جسم کو نرم و نفیس پوشاک میں چھپایا تو کیا فائدہ آخر کو مرنے کے بعد گل سڑ کر خاک ہو جانا ہے اور قبر میں خاک کا اوڑھنا اور خاک کا ہی بچھونا ہے۔

ہائے مرتے ہی سب خوبی حسن و جمال جاتا رہے گا اور ہڈیوں پر گوشت و پوست کا نشان تک نہ رہے گا۔

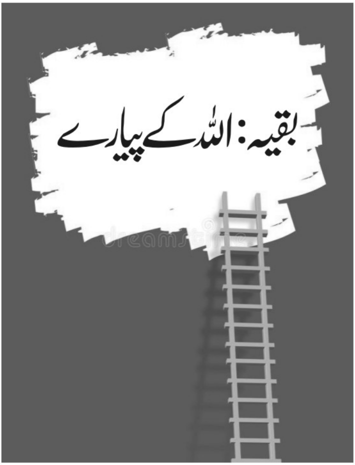
وائے صد وائے! عمر گزر گئی اور کوئی مراد حاصل نہ ہوئی۔ نہ میرے ساتھ کوئی سفر کا توشہ اور میں اپنے حاکم و مالک کے روبرو اس حال میں کھڑا ہوں گا کہ گناہوں کا بار سر پر ہوگا۔

دنیا میں ہزار پردوں میں خدائے کریم کی نافرمانی کر کے گناہ کیے۔ اگر قیامت میں وہ سب عالم الغیوب کے سامنے ظاہر ہوں گے۔

کیا دنیا میں خدا کے غضب سے بے خوف ہو کر گناہ کرتا تھا۔ نہیں بلکہ اس کی مغفرت اور بردباری پر تکیہ تھا وہ ارحم الراحمین چاہے عذاب دے، چاہے محض اپنے کرم سے درگزر فرمائے۔“ اس نے کہا۔

حضرت بہلول فرماتے ہیں جب وہ لڑکا وعظ کہہ کر خاموش ہوا میں بے ہوش ہو کر گر پڑا اور وہ لڑکا چل دیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو ان لڑکوں میں تلاش کیا کہیں پتہ نہ پایا۔ لڑکوں سے اس بچے کا حال دریافت کیا تو بولے تم نہیں جانتے۔ میں نے کہا نہیں، کہا، یہ لڑکا حضرت سیدنا حسین ابن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی اولاد میں سے ہے۔ میں نے کہا، مجھے احساس تھا کہ یہ کسی ایسے ہی بڑے عظیم الشان درخت کا پھل ہوگا۔



یقیناً یہ دونوں میرے خلاف باتیں کر رہے ہوں گے۔"

وہ غصے سے لال پیلا ہو کر مٹھیاں بھینچ رہا تھا کہ شمعونہ بی بی نے اسے نرمی سے پکارا۔

"اٹھ گئے اب کیسا محسوس کر رہے ہو بیٹا؟"

سعدی نے ماں کے نرم لہجے کا غلط مطلب لیا اور بدترین بداخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چیخ کر بولا۔

"اس گھر سب سے کم تر ہوں۔ اسکول چھوڑ دیا، اب کیا گھر بھی چھوڑ دوں؟"

ماحول میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ مہمان خانے میں آواز چلی گئی تھی۔ محمود الحسن صاحب نے کچھ اشارہ دیا اور گھر سے چلے گئے۔ بابا امی کا ہاتھ تھامے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ سعدی بیچ میں اکیلا کھڑا رہ گیا تھا۔

شام کو بڑی پھپھو، پھوپھا کے ساتھ دادی اماں سے ملنے آئیں تو سعدی کو شفقت سے سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"بیٹے! اب تم بڑے ہو گئے ہو۔ تمہیں سمجھداری سے کام لیتے ہوئے پابندی سے اسکول جانا چاہیے۔ عنقریب بورڈ کے امتحانات شروع ہونے والے ہیں۔ پہلے ہی اسکول بدلنے کی وجہ سے تمہاری پڑھائی کا حرج ہوا ہے۔"

سعدیہ پھپھو سعدی سے بہت محبت کرتی تھیں مگر سعدی تو ہر ایک سے بدظن ہو کر کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔ ایسے موقع پر سجاد پھوپھا نے جلتی پر تیل چھڑک دیا اور استہزاء انداز میں بولے۔

"برخوردار! ایک تو صورت شکل ایسی اوپر سے پڑھائی لکھائی میں بھی کورے رہو گے تو کون پوچھے گا تمہیں۔"

سعدیہ پھپھو کا خیال نہ ہوتا تو اس کا پھوپھا کو کرارا جواب دینے کا پکا ارادہ تھا۔

------☆------

اس رات شمعونہ بی بی نے منتیں کر کے لاڈلے بیٹے کو اسکول جانے پر رضامند کر لیا۔ سعدی آج پورے ایک ہفتے بعد اسکول آیا تھا۔ کمرۂ جماعت میں داخل ہونے کے بعد ہر ایک لڑکے نے اس سے باقاعدہ مصافحہ کرنے کے بعد مسکراتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کی تھی۔ سعدی کو کسی چہرے پر ڈھونڈنے سے بھی طنز نہیں

ملا۔

دوسرا گھنٹہ کیمسٹری کا تھا۔تمام طلباء باادب انداز میں بیٹھ گئے۔وہ سب مہذب اور منظم طریقے سے لیکچر سن رہے تھے۔جبکہ سعدی سر کو تکتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ان کا رنگ بھی تو میری طرح کالا ہے لیکن سارے لڑکے ان کی بہت عزت کرتے ہیں بلکہ پورے اسکول میں سب ہی پیٹھ پیچھے بھی ان کا ذکر عزت واحترام سے کرتے ہیں۔

آخر اس سب کے پیچھے ایسی کیا بات ہے؟ پہننے کے اعتبار سے اچھے اور پروقار لباس زیب تن کرتے ہیں۔امیر وکبیر ہوں گے جبھی تو سب اتنا آگے پیچھے ہوتے ہیں۔خیر میں آج اکیلے میں ان سے ملوں گا۔

سعدی نے کراٹے کی کلاس نہیں لی بلکہ سیدھا لائبریری چلا آیا۔محمود الحسن صاحب مطالعہ میں مصروف تھے۔انہوں نے سعدی کو دیکھتے ہی بہت پیار سے اپنی سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ سلام کلام کے بعد سعدی نے نظریں جھکا کر جھجکتے ہوئے پوچھا ہی لیا۔

"سر! کیا آپ کی رنگت کا بھی سب مذاق اڑاتے تھے؟"

محمود الحسن صاحب نے ہونٹ بھینچ لیے، پھر دھیرے سے مسکرا کر سعدی کی طرف دیکھا اور اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

"ہاں بیٹا! میری بھی رنگت کا لوگوں نے بہت مذاق اڑایا،خوب پھبتیاں کسیں، مجھے بہت رونا آتا تھا۔"

محمود الحسن صاحب دل گرفتگی سے بولے اور چپ ہو گئے۔

"پھررر؟" سعدی سے ان کی چپ برداشت نہیں ہوئی تھی۔

"پھر ایک دن میری امی جی نے مجھے ڈھیر سارا پیار کیا اور بتایا۔۔۔"

وہ تھوڑا سا رکے اور بولے۔

"محمود بیٹے! اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارا خالق ہے۔مصور ہے جسے چاہے جیسا بنا دے۔اگر کوئی ہماری ہنسی اڑاتا ہے تو وہ ہمارا نہیں دراصل اللہ جی کا مذاق اڑاتا ہے۔"

سر محمود نے اتنا کہہ کر سعدی کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں تاثرات تیزی سے بدل رہے تھے۔وہ دوبارہ گویا ہوئے۔

"سعدی! آپ نے یقیناً حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پڑھا بھی ہوگا جن کی رنگت بہت زیادہ سیاہ تھی اور جن کا تعلق حبشی قبیلہ سے تھا۔"

سعدی جلدی سے بولا۔

"جی! میرے بابا نے ان صحابی رسول ﷺ کے متعلق بتایا تھا کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی یہودی کے غلام تھے ہمارے پیارے نبی

جی ﷺ نے انہیں غلامی سے آزاد کروایا تھا۔"
صحابی رسول ﷺ کے ذکر پر سعدی کے چہرے پر پھیلی خوشی نے محمود الحسن صاحب کو مطمئن کر دیا تھا وہ خوش دلی سے بولے۔
"بیٹا جی! کیا آپ کو پتا ہے کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پیارے رسول ﷺ سے بہت محبت کرتے تھے، لیکن بیٹا کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔"
سعدی نے اسلامیات کی کتاب میں پڑھا تھا جبھی جلدی سے بولا۔
"جی سر! جب پیارے نبی ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تھے تو وہاں بھی جنت کے دروازے پر نبی جی ﷺ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے قدموں کی چاپ سنی تھی۔"
محمود الحسن صاحب نے گہری نظر سے سعدی کو دیکھا، ان نظروں میں ایسا گہرا پیغام تھا کہ سالوں کی بات لمحوں میں سمجھ آ گئی سعدی نے بے ساختہ زور سے "الحمدللہ" کہا اور بولا۔
"سر! اب میں کبھی بھی اپنی رنگت کا شکوہ اپنے اللہ جی سے نہیں کروں گا اور جب کوئی مجھے کالا حبشی کہہ کر پکارے گا تو ہرگز برا نہیں مانوں گا۔"
سر نے کہا۔
"شاباش جیتے رہو اور حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرو گے تو جنت تمہارے قدم چومے گی۔"
سعدی بولا۔
"جی سر! بلاشبہ تمام صحابی رسول ﷺ ستاروں کی مانند ہیں۔ بہت شکریہ سر آپ نے مجھے زندگی کی ایک بہت خوبصورت راہ دکھا دی، ان شاءاللہ میں بھی اب اپنے مزاج اور رویے کو بہترین بنانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

------☆------

شمعونہ بی بی بے چینی سے سعدی کا انتظار کرتے ہوئے دعائیں بھی کر رہی تھیں کہ سعدی کا مزاج خراب نہ ہو۔
سعدی گھر میں داخل ہوا، امی جان کو سلام کیا، بستہ جگہ پر رکھا، لباس تبدیل کر کے وضو بنا کر صلوۃ التوبہ ادا کرنے کے بعد امی جان کے پاس چلا آیا۔
"امی جان! بہت تیز بھوک لگی ہے۔"
آج بہت دنوں بعد سعدی اپنی امی جان کے ساتھ بیٹھ کر خوشگوار موڈ میں کھانا کھا رہا تھا اور سر محمود الحسن کا ذکر بھی بہت اچھے انداز میں کر رہا تھا۔ دادی نے سعدی کو ہنستا بستا دیکھ کر ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ پیار بھی کیا اور شکرانے کے نوافل ادا کرنے چلی گئیں۔

------☆------

ابوشفاء | آخری قسط | رازِ سربستہ



دُنیا کے چند منفرد خطے



اسکینڈ ینیویا:

شمالی یورپ کے ممالک ڈنمارک، سویڈن، اور ناروے کو مجموعی طور پر اسکینڈے نیویا کہا جاتا ہے۔ جبکہ فِن لینڈ کا کچھ حِصہ اس میں شامل ہے۔ یہ ممالک بشمول شمالی بحر اوقیانوس کا جزیرہ آئس لینڈ ملتی جلتی زبانوں اور ثقافتوں کے حامل ہیں۔اسکینڈے نیویا کا شمالی اور مغربی حصہ بہت زیادہ کٹا پھٹا اور پہاڑی ہے جبکہ جنوب میں زمین زیادہ ہموار ہے اور گلیشیروں کی



بدولت انتہائی زرخیز بھی ہے۔

فن لینڈ، ناروے اور سویڈن کا بیشتر حصہ گھنے جنگلات پر مشتمل ہے۔

آئس لینڈ دنیا کے سب سے زیادہ آتش فشانی علاقوں میں سے ایک ہے۔اس خطے کا مجموعی رقبہ 928،057 مربع کلومیٹر اور آبادی 21 ملین کے لگ بھگ ہے۔ یہ دنیا کے وہ علاقے ہیں جہاں کئی کئی مہینے سورج نہیں نکلتا اور زیادہ تر شام کا سا سماں رہتا ہے۔ اوسلو، کوپن ہیگن اور سٹاک ہوم بڑے شہر ہیں۔

آئبیریا:

جزیرہ نما آئبیریا یورپ کے انتہائی جنوب مغرب میں واقع ہے۔ یہ یورپ کے تین جزیرہ نماؤں (جزیرہ نما بلقان، جزیرہ نما اٹلی اور جزیرہ نما آئبیریا) میں سے انتہائی جنوب اور مغرب میں واقع آخری جزیرہ نما ہے۔جنوب اور مشرق میں



اس کی سرحدیں بحیرہ روم اور شمال اور مغرب میں بحراوقیانوس سے ملتی ہیں۔

جزیرے کا بیشتر حصہ اسپین اور پرتگال کے بیچ تقسیم ہے جبکہ شمال میں انڈورا اور فرانس کے کچھ علاقے اور جنوبی ساحلی کونے پر"جبرالٹر" واقع ہے۔ 582،000 مربع کلومیٹر رقبے کیساتھ یہ اسکینڈینیویا کے بعد برِاعظم یورپ کا دوسرا بڑا جزیرہ نما ہے جہاں لگ بھگ 57 ملین لوگ آباد ہیں۔ جزیرہ نما کے شمالی علاقے میں کوہ پائرینیس ہیں جو اسے بقیہ یورپ ملاتے ہیں۔

اس خطے میں یوارپ کے حسین ترین نظارے دیکھے جاسکتے ہیں۔میڈرڈ، لزبن، بارسلونا، ویلنشیو،قرطبہ،سیویل اور اوپورٹ اہم شہر ہیں۔

بینیلکس:

بیلجیم، لکسمبرگ اور نیدرلینڈز کے اقتصادی اتحاد کو بینیلکس کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ تینوں ممالک کے الفاظ کے پہلے دو حروف جوڑ کر بنایا گیا ہے یعنی بیلجیم کا، نیدرلینڈ کا، اور لکسمبرگ کا۔

ان ممالک کے درمیان اقتصادی اتحاد کا باقاعدہ معاہدہ 1958ء میں طے پایا۔اس کے علاوہ انہیں زیریں ممالک بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس علاقے کا بیشتر حصہ ہموار اور سطح سمندر سے نیچے واقع ہے۔خصوصاً نیدرلینڈز، جہاں کا بیشتر حصہ سطح زمین سے بھی نیچے ہے اس لیے ولندیزیوں نے کئی بند تعمیر کیے ہیں تاکہ سیلاب سے بچا جاسکے۔

بینیلکس ممالک یورپ کے سب سے زیادہ گنجان آباد ممالک ہیں اور یہاں کے لوگوں کا معیارزندگی انتہائی اعلیٰ ہے۔

ان ممالک میں 30 ملین سے زائد افراد



رہتے ہیں اور ہر 10 میں سے 9 افراد شہر یا قصبے میں رہائش پزیر ہیں۔دوسری جانب دیہی علاقے بھی انتہائی گنجان آباد ہیں۔ نیدرلینڈز کے شہر ایمسٹرڈم سے بیلجیم کے شہر اینٹورپ تک کارخانوں کا ایک عظیم جال پھیلا ہوا ہے۔ دوسری جانب لکسمبرگ بنکاری کا ایک اہم مرکز ہے اور اس کے دارالحکومت میں دنیا کے کئی اہم بنکوں کے صدر

دفاتر ہیں۔

ایمسٹرڈیم، روٹرڈیم، لکسمبرگ سٹی، برگس اور یورپی یونین کا ہیڈکوارٹر برسلز اسی خطے کا حصہ ہیں۔

بالٹک ریاستیں:

سابقہ سوویت یونین سے آزاد ہونی والی ریاستوں اسٹونیا، لیٹویا اور لتھوینیا کو مجموعی طور پر



بالٹک ریاستیں یا بالٹک اقوام کہا جاتا ہے۔ یہ تینوں ممالک 1940ء اور 1941ء میں اور 1944ء اور 1945ء سے 1991ء تک سوویت یونین کے قبضے میں رہے۔

یہ تینوں ممالک ''بحیرہ بالٹک'' کے مشرقی ساحل پر آباد ہیں جو اس نام کہ وجہ تسمیہ ہے۔ اس خطے کی آبادی زیادہ نہیں ہے۔ ریگا، تالین اور ویلنیئس مرکزی شہر ہیں۔

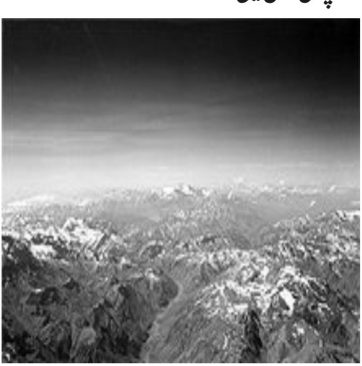
براعظم شمالی و جنوبی امریکا:

براعظم شمالی و جنوبی امریکا کے زیادہ تر خِطوں کو قدرتی ہیئت اور طبعی خدوخال کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا ہے۔ ایسٹ انڈیز کے علاوہ زیادہ تر خطے دو یا تین ممالک پر ہی مشتمل ہیں۔

عظیم جھیلوں کا خِطہ:

عظیم جھیلوں کا یہ علاقہ شمالی امریکا میں ایک دوقومی خِطہ ہے جو امریکا اور کینیڈا کے درمیان واقع ہے۔ اس میں ریاستہائے متحدہ امریکا کی آٹھ ریاستوں کے علاقے شامل ہیں، جن میں الینوائے، انڈیانا، مشی گن، مینیسوٹا، نیو یارک، اوہائیو، پنسلوانیا اور وسکونسن شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کینیڈا کا صوبہ انٹاریو بھی اس میں شامل ہے۔

یہ علاقہ جھیل مشی گن، جھیل سپیریئر، جھیل آئر، جھیل اونٹاریو اور جھیل ہیورون پر مشتمل ہے جو مختلف چھوٹے بڑے دریاؤں سے منسلک ہیں اور امریکا و کینیڈا کے درمیان سرحد کا کام بھی کرتی ہیں۔ شکاگو، ڈیٹرائیٹ، ٹورنٹو، اوٹاوہ، ہیملٹن، ونڈسر اور آئر جیسے بڑے شہر اِن جھیلوں کے آس پاس واقع ہیں۔





بزمِ عشق

حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے...... اُن چار سچے عاشقوں کے...... جو آج میرے قلب و جگر پر چھائے ہوئے ہیں......

آج مجھے کچھ اور لکھنا تھا...... استخارہ کا موضوع بہت اہم اور ضروری ہے...... کاش مسلمانوں میں ”استخارہ“ کی نعمت اور روشنی عام ہو جائے...... عجیب بات ہے لوگ ہر کسی سے رہنمائی لیتے ہیں...... مگر اپنے ربّ سے نہیں لیتے...... جو علیم بھی خبیر بھی ہے......

ارے بھائیو! اور بہنو! ...... استخارہ بہت اونچی چیز ہے...... مگر شرط یہ ہے کہ خود کیا جائے...... کسی اور سے کرانے کا کوئی فائدہ نہیں، کوئی مطلب نہیں...... کئی ہفتے سے سوچ رہا ہوں کہ اس موضوع پر تمام روایات اور ترغیبات لکھ ڈالوں...... اُدھر کابل میں طالبان نے کفر کے ایوانوں پر عجیب دن اور عجیب وقت میں پُر جوش اور خوفناک حملہ کیا...... ۲ مئی کا حملہ...... اُس پر بھی لکھنے کا ارادہ تھا...... اور بھی کئی باتیں دماغ میں تھی...... مگر آج دل اپنے قابو میں نہیں ہے......

فکر منزل ہے نہ ہوش جادۂ منزل مجھے
جا رہا ہوں، جس طرف لے جا رہا ہے دل مجھے
اب زباں بھی دے ادائے شکر کے قابل مجھے
درد بخشا ہے اگر تو نے بجائے دل مجھے
یوں تڑپ کر دل نے تڑپایا سرِ محفل مجھے

اُس کو قاتل کہنے والے کہہ اٹھے قاتل مجھے
اب کدھر جاؤں، بتا اے جذبۂ کامل مجھے
ہرطرف سے آج آتی ہے صدائے دل مجھے

ہاں واقعی......آج میرا دل تڑپ رہا ہے اور وہ مجھ سے اور آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہے......

میں اُس پر کچھ پابندی لگاتا ہوں مگر وہ نہیں مانتا......ہاں بالکل نہیں مانتا......

روک سکتی ہے تو بڑھ کر روک لے منزل مجھے
لے اُڑی ہے ایک موج بے قرارِ دل مجھے

یہ دیکھیں میری دائیں جانب...... پانچ خطوط رکھے ہوئے ہیں...... اگر اُن خطوط کو پورا نقل کروں تو عشق کے کئی راز کھل جائیں گے......

رازوں کو راز ہی رہنے دیں...... لیجیے ایک دعاء پڑھیں......

''فقیر کی خواہش، اور دعاء ہے کہ اللہ عظیم، اس فقیر کی حقیر سی جان کے......قرآن عظیم کے حروف، نقاط اور حرکات وسکنات کے برابر ٹکڑے کر دے اور ہواؤں کو حکم دے کہ ان ٹکڑوں اور ذرّوں کو اڑا کر میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس راستے پر بکھیر دیں جس پر چل کر میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان حقیر سے خاک آلود ذروں پر اپنے قدمین مطہرین رکھتے ہوئے میدان محشر کی طرف تشریف لے جائیں''......

اللہ اکبر کبیرا...... پڑھ لی آپ نے دعاء......

اور اپنے اس عمل کے بدلے اللہ تعالیٰ سے کیا مانگا...... فرماتے ہیں...... اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میری، میرے امیر کی اور پوری اُمت مسلمہ کی مغفرت فرمائے......اور عافیہ بہن سمیت تمام اسیران اسلام کو رہائی عطاء فرمائے......

اللہ، اللہ، اللہ...... یہ ہے ایمان اور یہ ہے دل...... اور یہ ہے عشق...... اور یہ تھے ہمارے ایک محبوب ساتھی......مولانا حافظ عطاء اللہ شہیدؒ......

میں عشق ہوں مکمل، میں شوق ہوں مسلسل
گویا تمام عالم میری ہی داستاں ہے
کوئی نہ گھر ہے اپنا، کوئی نہ آستاں ہے
ہر شاخ ہے نشیمن، ہر پھول آشیاں ہے

ایک بار کسی کتاب میں ''فقیر'' کی تعریف پڑھی تھی......بہت سے لوگ اپنے نام کے ساتھ ''فقیر'' لکھتے ہیں......ہمیں کسی پر کوئی اعتراض نہیں......

اور آج تو شہداء کرام کی محفل ہے......اور شہید بھی ایک نہیں...... پورے چار...... آقا مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... بہترین رفقاء چار ہیں......شہداء کرام کی مجلس میں کسی پر تنقید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... ''فقیر'' کی تعریف کافی سخت تھی......فقیر وہ ہے جو مخلوق سے کسی طرح کی کوئی غرض نہ رکھتا ہو......نہ مال کی نہ عزت کی، نہ رشتے کی نہ اکرام کی......نہ اچھے سلوک کی اور نہ کسی احترام کی......اور اللہ تعالیٰ سے بے حد محبت رکھتا ہو......مگر ایسی

محبت نہیں جس میں کوئی شرط ہو کہ...... میری دعاء ضرور قبول ہو...... میرے ساتھ ایسا معاملہ ہو...... نہیں بس ایسی محبت کہ...... اللہ تعالیٰ کے لئے سب کچھ کرنا چاہتا ہو اور کرتا ہو...... اور اللہ تعالیٰ کے لئے سب کچھ لٹانا چاہتا ہو...... اور لٹا دے...... کافی مفصل تعریف تھی...... تب دل میں شوق پیدا ہوا کہ کوئی ایسا ''فقیر'' اللہ تعالیٰ مجھے بھی دکھا دے...... اور تمنا بھی پیدا ہوئی کہ...... اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے بھی ایسا بنا دے...... ابھی تو ہم اس کے قریب بھی نہ پھٹک سکے...... پھر مجھے ایک دن ایک خط ملا...... خط کے نیچے نام لکھا تھا...... فقیر عطاء اللہ...... اور پھر اُن سے ایک آنسوؤں بھری ملاقات بھی ہو گئی...... اور پھر دوسرا، اور تیسرا خط بھی ملا...... اور پھر ایک گھڑی ملی جو جاتے وقت وہ میرے لئے چھوڑ گئے......

یہ فقیر واقعی فقیر تھا...... قرآن پاک کا حافظ...... صرف حافظ نہیں ملازم...... ارے صرف ملازم نہیں بلکہ عاشق...... ملازم اُسے کہتے ہیں جو کسی چیز کو لازم پکڑ لے...... انہوں نے قرآن پاک کو لازم پکڑ رکھا تھا...... مگر عشق کا مقام اس سے بھی آگے ہے...... انہیں تلاوت قرآن کا عشق تھا...... آپ میں سے بہت سوں نے انہیں اکثر قرآن پاک زبانی پڑھتے دیکھا ہوگا...... جہاں بھی رہے قرآن پاک کے ساتھ رہے...... اور پھر قرآن پاک پڑھتے ہوئے...... قرآن پاک کے حروف کے برابر ذرّوں میں تبدیل ہو کر...... بہت اونچی فضاؤں میں گم ہو گئے...... زندگی کے آخری دو سال ''فقیری'' کا اصل مقام پایا...... کسی سے کوئی غرض نہیں...... اور اپنے مالک سے ملنے کے لئے بے قرار...... جی ہاں! حد سے زیادہ بے قرار...... وہ لوگوں کے درمیان رہتے تھے...... مگر اُن کے جذبات، خیالات اور تصوّرات کہیں اور کی سیر کرتے تھے......

جو چپ بیٹھوں تو اک کوہ گراں معلوم ہوتا ہوں
جو لب کھولوں تو دریائے رواں معلوم ہوتا ہوں
جو ہوں دراصل صورت سے کہاں معلوم ہوتا ہوں
بہار بے خزاں ہوں گو خزاں معلوم ہوتا ہوں
میں یوں تو زاہدو! اک قطرۂ ناچیز ہوں بے شک
مگر پی لوں تو بحر بے کراں معلوم ہوتا ہوں
تصور نے کسی کے میری دنیا ہی بدل ڈالی
کہاں معلوم ہوتا تھا کہاں معلوم ہوتا ہوں
کسی کی یاد نے کیا رفتہ رفتہ کر دیا مجھ کو
بس اب اک پیکر وہم و گماں معلوم ہوتا ہوں
نیاز و ناز کی دُنیا میں جس دم جا پہنچتا ہوں
تو آزادِ زمیں و آسماں معلوم ہوتا ہوں
دم تیغ آزمائی کھلتے ہیں فولاد کے جوہر
میں جو کچھ ہوں بوقت امتحاں معلوم ہوتا ہوں

اپنے محبوب مولیٰ سے لقاء...... یعنی ملاقات

کے لئے انہوں نے طویل، صبر آزما انتظار کیا......

آخری ملاقات کے دوران میں نے اُن سے کہا...... بھائی! محبوب کے در پر بیٹھ کر ملاقات کا انتظار کرنا سچے عاشقوں کا شیوہ ہے تو اُن کی آنکھیں خوشی کے انوارات برسانے لگیں...... یوں لگا کہ اس جملے نے اُن کے ہجر میں زخمی دل پر مرہم رکھ دیا ہے...... بس پھر باقی دن انہوں نے کبھی اطمینان میں، کبھی بے قراری میں...... اور کبھی شوق میں تڑپتے بسر کئے......

کسے دیکھ کر آج ہم آرہے ہیں
کہ آنکھوں سے انوار برسا رہے ہیں
جدھر جذب ہم کو لیے جا رہا ہے
کئے بند آنکھیں اُدھر جا رہے ہیں
میں ہوں نزع میں پھر بھی دیکھو وہ کیسے
خراماں خراماں چلے آرہے ہیں
نہیں مانتا ہے، نہیں مانتا ہے
بہت دل کو ہم اپنے سمجھا رہے ہیں

اچھا میری باتیں چھوڑیں...... اُن کے خط کا ایک اور حصہ پڑھتے ہیں......

''اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر فقیر کا دشمنان اسلام کو چیلنج ہے کہ قرآن مقدس ومطہر کے ایک ایک حرف وحرکت ونقطہ کا انتقام تم سے لیا جائے گا غلامان محمد ﷺ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ایک ایک حرف کا انتقام نہ لے لیں گے انشاء اللہ...... اس کا واضح ثبوت رکنیت مہم کی شاندار کامیابی ہے...... اللھم زد فزد...... فقیر کی دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ جیش کو بہت وسائل عطاء کرے، جیش کے فدائی جانباز قرآن کے انتقام کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح...... دشمن اسلام پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑیں......''

آپ نے ایک سچے مسلمان کی سچی عبارت پڑھ لی......اسے کہتے ہیں جذبہ عشق کا کمال

اللہ، اللہ یہ کمال جذبۂ پنہانِ عشق
جو گرا آنکھوں سے آنسو حُسن کا دریا ہوا
بڑھتے بڑھتے آفتابِ روزِ محشر بن گیا
دل کی خاکستر میں اک شعلہ تھا جو بھڑکا ہوا

آپ پوچھیں گے کہ یہ تو ایک خط ہوا...... باقی چار خطوط کیا فرماتے ہیں؟ ہاں! بھائیو!...... وہ خطوط بھی بہت قیمتی ہیں اور بہت اہم ہیں......

کل کی ڈاک میں ایک خط تھا...... فتویٰ پوچھ رہے تھے کہ والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا جائز ہے یا نہیں...... جواب میں لکھا...... جہاد تو عشق والوں کا کام ہے...... فتوے سے کوئی جہاد میں نہیں نکلتا...... الٹا ایک نئی بحث چھڑ جاتی ہے...... لفظوں کی جنگ اور حقیقی محبت سے محرومی...... جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں سچے ہوتے ہیں وہ تو...... ''لقاءِ یار'' کے لئے تڑپتے ہیں، لڑتے

ہیں...... وہ قرآن مقدس کی بے حرمتی برداشت نہیں کرتے...... وہ اسلام کی ظاہری مغلوبیت دیکھ ہی نہیں سکتے...... اُن کو جہاد سمجھانے کے لئے ایک آیت، ایک حدیث یا ایک غزوہ کافی ہوتا ہے...... اور جو اسی دنیا کو مقصود بنالیں اُن پر کسی فتوے کا کیا اثر ہوگا......

والدین بھی مسلمان ہوں تو اولاد کو جہاد سے کہاں روکتے ہیں؟...... اگر کچھ غافل ہوں تو ان کی ذہن سازی کی جاسکتی ہے......

مگر ان چار خطوط میں تو ایک الگ دنیا آباد ہے......بس جلد از جلد فدا ہونے کا شوق ہی نہیں بلکہ جنون ......کس کس کا تذکرہ کروں...... ڈیرہ اسماعیل خان کے دراز قد نعمان شہید کا؟...... اُسے سب ''عبدالرحمن'' کہتے تھے...... جو آخری سانس ہی نہیں بلکہ شہادت کے بعد بھی...... جہاد اور جماعت کی خدمت میں لگا ہوا ہے...... وہ کیسے؟ یہ ایک ایمان افروز داستان ہے...... اُسی کا خط سب سے مختصر مگر...... معنیٰ خیز اور جامع ہے...... بڑی اونچی بات...... یہ چھوٹے سمجھے جانے والے مجاہد کہہ جاتے ہیں......لکھتے ہیں......

''یااللہ! جو دل سے شہادت کا طالب ہو اُسے شہادت عطاء فرما''...... سبحان اللہ! دل کی طلب......

کیا صوابی کے ...... محمد توفیق کا تذکرہ کروں؟...... ماضی کا ماہر پینٹر...... جو جہادی تاریخ میں اپنے خون سے رنگ بھر گیا...... جماعت کے ذمہ دار تو اُس کے اخلاق اور ذہانت سے متاثر تھے...... درخواست کی کہ کچھ عرصہ تشکیل تبدیل کرالیں...... اور ہمارے ساتھ کام کریں...... یہ سنتے ہی توفیق کو ایک سو چار درجے کا شدید بخار ہوگیا...... ارے عشق اسے کہتے ہیں ...... اور وہ چھوٹا سا نوجوان...... ہنستا مسکراتا رضوان...... ویسے نام تو احسان اللہ تھا مگر رضوان اُس پر جچتا تھا...... غضب کا نشانے باز اور باہمت...... پشاور والے اُس پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں...... یہ چار دوست تھے...... لودھراں کے مولانا عطاء اللہ...... سے لیکر...... رضوان تک......ایک عجیب دستہ......ہاں ان میں سے ایک کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں...... وہ شہادت سے دو روز پہلے بھی خواب میں آکر ملا...... اور شہادت کے اگلے دن بھی...... ہنستا مسکراتا مجھ غریب کی تنہائی کا ساتھی بنا......شکریہ! سچے فقیر، سچے شہید عطاء اللہ کا......

دل نے کچھ ایسی دُھن میں آج نغمۂ شوق گا دیا
عشق بھی جھوم جھوم اٹھا، حُسن بھی مسکرا دیا
آتش تر نے ساقیا! کچھ نہ مجھے مزہ دیا
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے تو نے یہ کیا پلا دیا
جذب جنوں نے آج تو گل ہی نیا کھلا دیا

خود وہ گلے لپٹ گئے، عشق کا واسطہ دیا
خوش رہو شہیدو! خوش رہو...... اللہ تعالیٰ تمہارے درجات بلند فرمائے...... اور اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کے ساتھ...... اپنے مقام محبت میں جمع فرمائے......

میری عادت تو نہیں...... مگر مجھے ”فقیر عطاء اللہ شہید“ سے حیاء آتی ہے کہ میں اُن کی وصیت کو چھپا دوں...... وہ یقیناً عارف باللہ تھے اور واصل باللہ ہوئے...... صاحب ایمان تھے اور صاحب فراست تھے انہوں نے ساتھیوں کے لئے جو کچھ لکھا وہ یقیناً ساتھیوں کی خیر خواہی ہی میں لکھا ہوگا...... اس لئے میں اُن کا مختصر وصیت نامہ نقل کر رہا ہوں......

”میری تمام جماعتی ساتھیوں و اراکین کو وصیت ہے کہ جیش و امیر جیش کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیں اور مخلص رہیں اور اُن کی اطاعت کو لازم پکڑیں، کسی قسم کے منافقین کے کسی بھی پروپیگنڈے میں نہ پڑیں اور اُن کی سازشوں اور پروپیگنڈوں سے اپنے آپ کو دور رکھیں اور جماعتی احکام و اصول کے منافی کوئی بھی سازش و بغاوت ہو تو اس کو کچل دیں، اس کو دبا دیں“

والسلام

بندہ فقیر محمد عطاء اللہ لودھری

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ...

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا...

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ...

☆......☆......☆

کوپن برائے ”وہ کون تھا؟“

نام: ....

ولدیت: ....

مکمل ایڈریس: ....

تعلیم: ....

جواب: ....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

انداز گلستاں

دانیال حسن چغتائی



حضرت ابراہیم

عین شباب کے عالم میں تھے، قوم کو دعوت حق دینے میں سعی مسلسل کیے جا رہے تھے۔ لیکن جب آپ کے اپنے والد آذر نے ہی آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو آپ کو بڑا دکھ ہوا۔

آپ تو اسے بھلائی کی راہ دکھانا چاہتے تھے لیکن وہ نہ مانا۔ آپ اسے صراط مستقیم پر گامزن دیکھنے کے متمنی تھے لیکن بے سود۔ بے رخی اور ترش روئی انھیں دعوت الی الحق سے باز نہ رکھ سکی۔ وہ برابر قوم کو شرک اور بت پرستی سے روکتے رہے۔

دل میں یہ تہیہ کر لیا کہ وہ ان عقائد باطلہ کو مٹا کر دم لیں گے، اس راہ میں چاہے انھیں کتنی ہی تکلیفیں اٹھانا پڑیں اور کتنی ہی مشکلات کے پل عبور کرنے پڑے۔

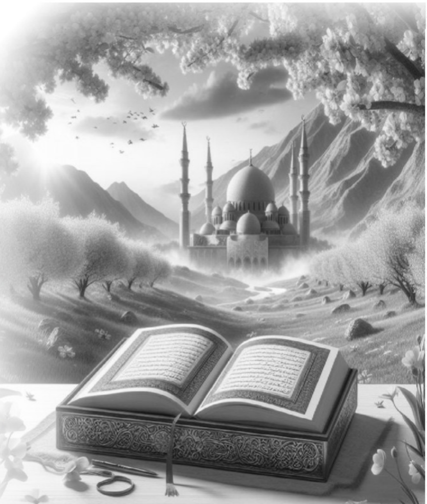
☆......☆......☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام ذہین و فطین شخص تھے۔ آپ نے فوراً محسوس کر لیا کہ لفظی دلیلیں کتنی ہی واضح کیوں نہ ہوں اس بنجر زمین میں بھلائی کی فصل کا سبب نہیں بن سکتیں۔

اس لیے سوچا کیوں نہ انھیں اندر جھانکنے کا اہتمام کیا جائے اور انھیں اپنے عقیدے پر سوچنے کا موقع فراہم کیا جائے اور انھیں کسی طریقے سے دعوت دی جائے کہ میری بعثت کا مقصد اور مدعا کیا ہے، ہوسکتا ہے وہ اس طریقے سے سیدھی راہ پر آ جائیں اور ہٹ دھرمی اور سرکشی کی راہ چھوڑ دیں۔

آپ نے ان سے پوچھا، تم کس کی عبادت کرتے ہو؟

مشرکین نے اپنے بتوں کے بارے میں بتایا اور تفصیل سے گفتگو کر لی اور



بڑے خوش ہو کر احترام اور تعظیم کے جذبوں کو یکجا کر کے کہا، ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور انہی کے سامنے جھکتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا سوال الہامی تھا۔اس گفتگو میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق ان کے شامل حال تھی۔وہ ایک قاضی تھے جو مجرم سے اعتراف جرم کرانے کی کوشش کرتا ہے اور اسے گناہ کے ارتکاب کے اقدار پر ابھارتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی لیے تو ان کا گھیرا تنگ کر رہے تھے، اور صرف اسی نکتہ پر باری باری سوال اُٹھا رہے تھے۔

وہ جانتے تھے کہ جب انھیں یقین ہو جائے گا کہ ہمارا عقیدہ بالکل بودا ہے،اور اس کی بنیادیں تو بالکل کمزور ہیں اور یہ بت پرستی محض ایک دھوکہ ہے تو پھر وہ اپنی دلیل سے انھیں حقیقت سے روشناس کرائیں گے۔ پھر ان کے لیے اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوگا، اور انھیں لامحالہ بت پرستی سے باز آنا ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بار پھر ان کی طرف پلٹے،اور ان کے غلط عقائد اور فاسد خیالات کو باطل قرار دے دیا۔

سوال کیا کہ جب تم ان کی عبادت کرتے ہو تو کیا یہ تمہارے حمدیہ اور دعائیہ کلمات سن رہے ہوتے ہیں؟ کیا جب تم ان کی اطاعت وفرماں برداری کے لیے ان کے بت خانوں میں جاتے ہو تو یہ تمہیں دیکھ لیتے ہیں؟ کیا ان میں نفع ونقصان کی طاقت ہے بھی؟

وہ یہ سن کر حیران رہ گئے اور جواب بھی دیا تو کتنا بے معنی اور مضحکہ خیز کہ: ہم نے اپنے باپ (داداؤں) کو ان کا پجاری پایا ہے تو ہم بھی پوجا کرتے ہیں۔

گویا یہ ایک طرح اعتراف شکست تھا کہ یہ بت دعا کرنے والے کی آواز نہیں سنتے اور کسی کو نفع اور نقصان نہیں دے سکتے۔انہیں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں تھا کہ ان کے مذہب کی اگر کوئی بنیاد ہے تو صرف یہ کہ انھوں نے اپنے آباؤ اجداد کو بت پرستی کرتے دیکھا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

بلا شبہ تم بھی اور تمہارے باپ داد بھی کھلی گمراہی میں مبتلا رہے ہو۔

جھٹ بول اُٹھے:

ابراہیم! آپ ہمارے بتوں پر تنقید کر رہے ہیں، اور انہیں گالیاں دے رہے ہیں۔کیا واقعی آپ کا یہی نظریہ ہے؟، یا آپ خوش طبعی کی خاطر یہ باتیں کر رہے ہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

میں یہ باتیں مذاق میں نہیں کر رہا بلکہ میں سنجیدگی سے ان کی خدائی کا انکار کر رہا ہوں۔میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا دین لے آیا ہوں۔میں تمہاری ہدایت کی ذمہ داری لے کر اللہ کا رسول بن

کر حاضر ہوا ہوں۔ میں حق و صداقت کا پیمبر ہوں۔عبادت کے لائق صرف وہ خدا ہے جو زمین اور آسمانوں کو وجود بخشنے والا ہے۔ وہ جو دنیا و مافیہا کے اُمور کی تدبیر کر رہا ہے اور کائنات کا انتظام وانصرام فرمارہا ہے۔

یہ بت جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تو اپنے نفع ونقصان کے بھی مالک نہیں۔ یہ گونگے پتھر ہیں، حقیر لکڑی کے ٹکڑے ہیں، تم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔ان کے سامنے ماتھا رگڑنے سے باز آجاؤ۔ شیطان کی چالوں میں اور اس کے دھوکے میں نہ آؤ۔

کچھ تو عقل سے کام لو، اپنی آنکھوں کو ذرا وا کرو، ہوسکتا ہے حقیقت تم پر عیاں ہو جائے۔

لو! سب سے پہلے میں ان کی عبادت سے دست کش ہو چکا ہوں۔ دیکھو! میں نے تم سے پہلے ان سے تعلق توڑ لیا ہے۔

اگر ان میں نقصان پہنچانے کی قدرت ہوتی تو سب سے پہلے یہ میری گردن مروڑتے۔ اگر انھیں کچھ بھی احساس ہوتا تو مجھ سے ساری نعمتیں واپس لے لیتے۔

پھر آپ نے خوبصورت انداز میں اللہ کی صنعت گری اور قدرت کاملہ کو بیان فرمایا تاکہ انھیں حقیقت حال سے آگاہی ہو اور انھیں پتا چل سکے کہ آپ کے اور ان کے عقائد میں کتنا فرق ہے۔

جب ابراہیم علیہ السلام کی دلیلوں نے اور ان کے وعظ ونصیحت نے انھیں فائدہ نہ دیا اور وہ راہ کا پتھر بنے رہے، دعوت حق سے اعراض کرتے رہے اور ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے کان حق بات سننے سے بہرے ہو چکے ہیں۔

ان کے دلوں پر پردے پڑ چکے ہیں اور یہ بت پرستی کو گلے سے لگائے بیٹھے ہیں اور بتوں کی پوجا کو سینے پر سجائے پھرتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے بتوں سے دو دو ہاتھ کرنے کی ٹھان لی اور قسم اٹھائی کہ وہ بتوں کا وہ حشر کریں گے کہ خود ان کے ماننے والے بھی کہیں گے کہ یہ نہ تو نقصان دے سکتے ہیں اور نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں بلکہ وہ کہہ اُٹھیں گے کہ ان میں تو اتنی سی طاقت بھی نہیں کہ اپنے آپ کو نقصان سے بچا سکیں، جب وہ خود نقصان سے نہیں بچ سکتے تو اپنے پجاریوں کو کیا نقصان دیں گے۔جب ان میں اتنی سکت نہیں تو ان کی عبادت ترک بھی کر دیں تو یہ کیا نقصان دیں گے۔اور اگر ہم ان کی عبادت کرتے رہے اور خلوص سے ان کے حضور سر تسلیم خم کرتے رہے تو بھی یہ ہمیں کیا فائدہ دیں گے۔

☆......☆......☆

اہل بابل ہر سال بتوں کا ایک تہوار بڑی دھوم دھام سے مناتے تھے۔وہ پورا دن شہر سے باہر گزار دیتے۔کھیل تماشے ہوتے، مندروں میں بتوں کے سامنے انواع و اقسام کے لذیذ کھانے ڈھیر کر دیے جاتے اور کھیل کود سے واپس آکر

بتوں کے سامنے رکھا ہوا یہ کھانا تبرک سمجھ کر بڑی خوشی اور عقیدت سے کھاتے۔

میلے کے روز جب لوگ شہر سے باہر جانے لگے تو انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دعوت دی کہ آؤ ہمارے ساتھ چلو۔ شہر سے باہر کھیلیں گے اور خوشیوں میں شریک ہوں گے لیکن آپ علیہ السلام نے ان کے ساتھ جانے اور عید منانے سے انکار کر دیا کیوں کہ آج وہ ان کے خداؤں کے محل کو منہدم کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔ وہ ان کے معبودوں کے عرش کو زمین بوس کرنا چاہتے تھے۔

آپ علیہ السلام نے بیماری کا بہانہ بنایا اور کمزوری کی وجہ سے ساتھ نہ دینے سے معذرت کی لیکن انھیں کوئی بخار نہیں تھا، وہ بالکل بیمار نہیں تھے، ہاں! آپ کی روح میں ایک درد تھا۔ آپ کا دل بہت پریشان تھا آپ کا جگر اپنی قوم کو شرک میں مبتلا دیکھ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا چاہتا تھا، وہ غم و غصے سے پھٹے جاتے تھے؛ کیوں کہ اپنوں نے ان کی ندا پر لبیک نہیں کہا تھا، اور ان کی نصیحت آموز دعوت کو قبولیت کی حیثیت نہیں دی تھی۔

انہوں نے اس لیے حضرت ابراہیم کو چھوڑ دیا اور ساتھ لینے پر اصرار نہ کیا۔ وہ آپ کے شہر میں ٹھہرنے پر راضی ہو گئے، معذرت قبول کر لی، اور خوشیاں منانے کے لیے شہر سے باہر چل دیے۔ تھوڑی دیر میں پورا شہر خالی ہو چکا تھا۔

مرد و زن، بوڑھے بچے سب عید منانے شہر سے باہر جا چکے تھے۔ بت خانہ بھی ویران و سنسان پڑا تھا۔ یہاں بھی کوئی پجاری، کوئی پروہت موجود نہیں تھا، تمام شہر سے باہر رنگ رلیوں میں مصروف تھے۔ اب ابراہیم علیہ السلام تھے اور یہ شہر اور بت خانہ تھا۔

جب فضا لوگوں سے خالی ہو گئی تو ابراہیم علیہ السلام بتوں کی طرف گئے اور بڑے مندر میں داخل ہو گئے۔

کیا دیکھتے ہیں کہ پورا مندر مورتیوں سے بھرا پڑا ہے۔ ہر طرف بت ہی بت ہیں۔ ان کے سامنے ڈھیروں کھانا پڑا ہے۔

آپ علیہ السلام نے نفرت اور حقارت کے لہجے میں پوچھا: کیا یہ کھانے نہیں کھاؤ گے؟ لیکن جواب میں صرف خاموشی تھی۔ ایک لفظ بھی بتوں کی زبان سے ادا نہ ہو سکا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تم بولتے کیوں نہیں؟ وہ تو گھڑے ہوئے پتھر تھے، کیا جواب دیتے۔ تراشیدہ لکڑی کے ٹکڑے تھے انھیں کیا خبر کہ کوئی مخاطب ہے؟

آپ کسی بھی طریقے سے قوم کی جہالت اور تراشیدہ بتوں کی اصلیت کو واضح کرنا چاہتے تھے؛ اس لیے آپ نے مکوں اور پاؤں کی ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ یہ دراصل دینی حمیت تھی اور اللہ کے لیے غیظ و غضب کی انتہا تھی۔ کلہاڑا لے لیا اور ٹوٹ

پڑے اور انھیں ریزہ ریزہ کرنے لگے۔ اس وقت تک کلہاڑا چلاتے رہے جب تک کہ سب بت نہ ٹوٹ گئے، لیکن بڑا بت ابھی تک سلامت تھا۔ آپ نے اسے نہ توڑا؛ تاکہ وہ واپس آکر اس سے پوچھ سکیں کہ بت شکنی کی جسارت کس نے کی ہے، کس نے معبدِ اعظم کی بے حرمتی کرکے اپنی بدبختی کو آواز دی ہے۔ درحقیقت ابراہیم علیہ السلام انھیں باور کرانا چاہتے تھے کہ بت بول نہیں سکتے اور نہ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان میں تو اپنے آپ کو بچانے کی بھی طاقت نہیں۔

ان کا خیال تھا کہ شاید وہ راہ راست پر آجائیں اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دیں۔

☆......☆......☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ اب بت خانے میں مورتیاں نہیں بلکہ لکڑی اور پتھر کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ آپ باہر نکل آئے، بہت خوش تھے، دل میں سکون اور آنکھوں میں ٹھنڈک تھی کیوں کہ آج انھوں نے آتش کدہ شہر بجھا دیا تھا اور شرک و بت پرستی کی بنیادیں اکھیڑ ڈالی تھیں۔ گھر جا کر بیٹھ گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ انتظار کرنے لگے کہ کیا ردِعمل کا اظہار ہوتا ہے۔ تیر نشانے پر لگتا ہے یا پوری قوم کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

دن گزر چکا۔ لوگ واپس شہر میں پہنچ گئے۔ جب بتوں کی حالت اپنی آنکھوں سے دیکھی تو سکتے میں آگئے، اور پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ تمام مورتیاں ٹوٹ چکی تھیں، تمام بت بکھرے پڑے تھے۔

ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ وہ تو یقیناً بڑا ظالم شخص ہے۔

ایک شخص نے بتایا، سنا ہے ابراہیم نامی ایک نوجوان ہمارے بتوں پر تنقید کرتا ہے اور ان کی عبادت کے خلاف ہے۔ یہ جسارت اس نے کی ہوگی، اور اسی نے یہ بت توڑے ہوں گے۔

جب انھیں پتا چلا کہ ان کے معبودوں کو کس نے توڑا ہے تو قرارداد پاس کی کہ اس شخص کو اتنی ہی بڑی سزا دی جائے گی جتنے بڑے جرم کا اس نے ارتکاب کیا ہے۔

پوری قوم غیظ و غضب سے بھڑک اٹھی اور چیخ چیخ کر مطالبہ کرنے لگے کہ ایسے بت شکن پر سرِعام مقدمہ چلایا جائے اور پوچھا جائے کہ اس نے یہ جسارت کیوں کی ہے تاکہ جرم ثابت ہونے کی صورت میں اس سے قصاص لیا جاسکے۔

☆......☆......☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تو یہی چاہتے تھے کہ پوری قوم کسی ایک جگہ اکٹھی ہوتا کہ وہ ان تمام کے غلط عقیدے پر دلیل قائم کرسکیں اور ان کی بت پرستی کے باطل ہونے کی شہادت دے سکیں۔ لوگ جوق در جوق ایک میدان میں

اکٹھے ہونے لگے اور یہ اجتماع لمحہ بہ لمحہ بڑھتا چلا گیا۔ ہر شخص ابراہیم علیہ السلام سے قصاص لینے پر تلا ہوا تھا۔ ہر شخص کی یہ دلی تمنا تھی کہ اس بت شکن کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔

مرد و زن کی زبان پر یہی بات تھی کہ ایسے مجرم کو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے سخت سزا دی جائے کیوں کہ انتقام کی آگ کو بجھانے کا صرف یہی طریقہ تھا۔ اس میں ان کے دلوں کا سکون تھا اور یہی ان کا مطمع نظر تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر اس مجمع عام میں لا کر کھڑا کر دیا گیا، اور لوگوں کے سامنے ان پر جرح شروع کر دی گئی۔ یہ سب لوگ ابراہیم کے دشمن تھے۔ تمام کے دلوں میں نفرتوں اور عداوتوں کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ آپ پر سوال ہوا: اے ابراہیم! ہمارے بتوں کے ساتھ یہ جسارت آپ نے کی ہے؟

اسی وقت کا تو آپ کو انتظار تھا۔ اس منزل تک تو آپ پہنچنا چاہتے تھے۔ آپ نے ایک دوسرے رنگ میں بات کرنے کی ٹھان لی۔ انھیں گھیر کر ایک ایسے نقطے پر لے آئے جس پر حجت تمام ہو سکتی تھی، اور امید کی جا سکتی تھی کہ وہ اس مقام سے نہیں بھاگ سکیں گے اور ضرور راہ راست کو پلٹ آئیں گے۔

آپ نے فرمایا:

اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی۔ سو ان سے پوچھو، اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں۔

کیا غضب کی دلیل تھی۔ اس دلیل نے انھیں چونکا دیا اور غفلت اور بے خبری کی نیند سے انھیں جگا کر ان کی آنکھیں کھول دیں۔

وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا۔ ہم بھی کتنے ظالم ہیں کہ ان خداؤں کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے، نہ کوئی پہرے دار تھا اور نہ کوئی رکھوالا۔

پھر حیران و ششدر ساکت و صامت اپنے سروں کو جھکائے غور کرنے لگے اور جامد ذہنی قوتوں کو کام میں لا کر سوچ بچار کرنے لگے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا:

اے ابراہیم! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ بت کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتے، ان سے جواب کی توقع عبث ہے، تو پھر کیوں تو ہمیں ان سے پوچھنے کا کہتا ہے؟، اور ان سے گواہی کی بات کرتا ہے؟

گویا انھوں نے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا کہ ان میں یہ طاقت نہیں کہ انھیں ارد گرد کے حالات کا علم ہو یا ان پر جو واقع ہو اس کا انھیں شعور ہو۔ گویا انھوں نے اپنی زبانوں سے کہہ دیا کہ اگر کوئی ان پر ظلم ڈھائے یا انھیں توڑ دے تو یہ اس بت شکن کا ہاتھ تک نہیں پکڑ سکتے۔

قوم نے سر جھکا کر کہا کہ اے ابراہیم! ہم ان خداؤں سے کیا اور کیسے پوچھیں؟ آپ تو جانتے ہی

ہیں کہ یہ بت بول نہیں سکتے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جلال میں تڑپ کر فرمایا:

''پھر کیوں تم اللہ کو چھوڑ کر ان (مورتیوں) کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکتی ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ تف ہے تم پر (بھی) اور ان (بتوں) پر (بھی) جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''

آپ کی اس حق گوئی کا نعرہ سن کر قوم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ شور مچایا اور چلا چلا کر بت پرستوں کو بلایا، اور جوش میں آ کر کہنے لگے:

''اس کو جلا دو اور اپنے (تباہ حال) معبودوں کی مدد کرو اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو۔''

☆......☆......☆

چنانچہ ظالموں نے اتنا لمبا چوڑا آگ کا الاؤ جلایا کہ اس آگ کے شعلے اتنے بلند ہو رہے تھے کہ اس کے اوپر سے کوئی پرندہ بھی اُڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ پھر آپ کو اُن ظلم وستم کے مجسموں نے اس آگ میں پھینک دیا اور اپنے اس خیال میں مگن تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جل کر راکھ ہو گئے ہوں گے مگر احکم الحاکمین کا فرمان اس آگ کے لیے یہ صادر ہو گیا کہ:

''اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سراپا سلامتی ہو جا۔''

چنانچہ نتیجہ یہ ہوا جس کو قرآن نے اپنے قاہرانہ لہجے میں ارشاد فرمایا کہ:

''اور انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ بری چال کا ارادہ کیا تھا مگر ہم نے انہیں بری طرح ناکام کر دیا۔

یہ سارا واقعہ قرآن مجید میں سورت انبیا میں بیان ہوا ہے۔

آگ بجھ گئی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ اور سلامت رہ کر نکل آئے اور ظالم لوگ کف افسوس مل کر رہ گئے۔

☆......☆......☆

اس واقعے سے اُن لوگوں کو دلی تسلی ملتی ہے جو باطل کی طاغوتی طاقتوں کے بالمقابل استقامت کا پہاڑ بن کر ڈٹ جاتے ہیں۔

اور اس قصے میں خصوصاً نوجوانوں کے لیے درس عبرت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اتنا عظیم کام اُس وقت انجام دیا تھا جب سارے اعضا میں شباب کا لہو گردش کر رہا تھا۔

اللہ رب العزت ہمارے نوجوانوں کو بھی دین محمدی کے تحفظ و بقا کے لیے ایسی قربانیاں پیش کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا

☆......☆......☆

قدرت کی خوبصورتی

حنا نور

قدرت کی خوبصورتی ہر انسان کے دل میں ایک خاص مقام رکھتی ہے، کیونکہ یہ ہمیں زندگی کی گہرائیوں میں جڑنے، سکون حاصل کرنے، اور اپنی روح کو تسکین دینے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ زمین پر موجود قدرتی مناظر، جیسے بلند پہاڑ، وسعتوں میں بہتے دریا، سرسبز جنگلات، اور خوشبودار پھول، ہماری زندگیوں میں خوشی اور سکون کا باعث بنتے ہیں۔ ان قدرتی مقامات کی خوبصورتی نہ صرف آنکھوں کو تسکین دیتی ہے بلکہ دل کو بھی ایک نئی توانائی بخشتی ہے۔

ہمالیہ کی عظمت سے لے کر نیل کے دریا کی روانی تک، اور ایمازون کے جنگلات سے لے کر چنبیلی کے دلکش پھولوں تک، ہر قدرتی چیز میں ایک الگ کہانی ہے۔ یہ سب چیزیں ہمیں یہ یاد دلاتی ہیں کہ ہماری زمین کتنی حیرت انگیز اور متنوع ہے۔ قدرت کی یہ حسین تخلیقات نہ صرف زندگی کے مختلف رنگوں کا اظہار کرتی ہیں بلکہ انسانی زندگی کی بقاء اور خوشحالی کا بھی درس دیتی ہیں۔

اس تحریر میں، ہم ان قدرتی جگہوں اور چیزوں کا جائزہ لیں گے جو قدرت کی خوبصورتی کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان مقامات کی منفرد خصوصیات، ان کی تاریخ، اور ہماری زندگیوں پر ان کے اثرات کا بیان کریں گے، تاکہ ہم ان کے حسن کو پوری طرح سمجھ سکیں اور ان کی قدر کریں۔



1.ہمالیہ کی پہاڑیاں

ہمالیہ دنیا کا سب سے بلند پہاڑی سلسلہ ہے، جو بھارت، نیپال، اور تبت کے درمیان واقع ہے۔ یہ سلسلہ اپنی بلند چوٹیوں، گلیشیئرز، اور منفرد قدرتی مناظر کے لیے مشہور ہے۔ ماؤنٹ ایورسٹ، جو کہ ہمالیہ کا ایک حصہ ہے، دنیا کی سب سے بلند چوٹی

ہے اور ہر سال ہزاروں مہم جوئی کرنے والوں کی توجہ کا مرکز بنتی ہے۔

ہمالیہ کی خوبصورتی خاص طور پر صبح کے وقت سورج کی کرنوں میں جھلکتی ہے، جب یہ چوٹیاں گلابی اور سنہری رنگوں میں رنگی ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ، ہمالیہ کی وادیاں، جیسے کہ کشمیر وادی، اپنی سبزیت، جھیلوں، اور خوبصورت پھولوں کے لیے مشہور ہیں۔ یہاں کی قدرتی مناظر انسان کو حیران کر دیتے ہیں اور روحانی سکون فراہم کرتے ہیں۔ ہمالیہ کی چوٹیوں پر چڑھنا صرف جسمانی محنت نہیں بلکہ روحانی تجربہ بھی ہے۔

2. نیل کا پانی

نیل کا دریا افریقہ کا سب سے بڑا دریا ہے اور اس کی خوبصورتی بے مثال ہے۔ یہ دریا مختلف ممالک، جیسے کہ اوگنڈا، سوڈان، اور مصر، سے گزرتا ہے اور قاہرہ میں اپنی انتہا پر پہنچتا ہے۔ نیل کا پانی زندگی کی علامت ہے، جو کہ انسانوں اور دیگر مخلوقات کے لیے پانی کا اہم ذریعہ ہے۔

نیل کے کنارے کھڑی کھیتیوں، سبز باغات، اور انسانی زندگی کی رونقیں اس دریا کی اہمیت کو بڑھاتی ہیں۔ نیل کی لہریں صرف پانی کی صورت میں نہیں بلکہ ثقافت، تاریخ، اور تمدن کی بھی نمائندگی کرتی ہیں۔ یہ دریا مصری تہذیب کی بنیاد بھی ہے، جس کے گرد قدیم مصر کی عظیم تاریخ پروان چڑھی۔ نیل کے کنارے کھڑے ہو کر، لوگ اس کے سحر انگیز مناظر کا لطف اٹھاتے ہیں، جہاں سورج کی کرنیں پانی پر چمکتی ہیں۔

3. سرسبز جنگلات

دنیا کے مختلف حصوں میں سرسبز جنگلات قدرت کا ایک قیمتی خزانہ ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور جنگل ''ایمازون'' ہے، جو زمین کے سب سے بڑے بارش کے جنگلات میں شمار ہوتا ہے۔ ایمازون کی جنگلات میں مختلف قسم کے درخت، پھول، اور جانور پائے جاتے ہیں۔ یہاں کی رنگین پرندے، جیسے کہ طوطے اس جنگل کی خوبصورتی کو بڑھاتے ہیں۔ ایمازون کے جنگلات صرف قدرتی خوبصورتی کے لیے ہی نہیں، بلکہ ماحولیاتی توازن کے لیے بھی اہم ہیں۔ یہ جنگلات گیسوں کے توازن کو برقرار رکھتے ہیں اور زمین کی آکسیجن کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ جنگلات میں چلنے سے انسان کو تازہ ہوا کا احساس ہوتا ہے، اور یہ ذہنی سکون فراہم کرتا ہے۔ جنگلات میں موجود جانوروں کی زندگی اور درختوں کی سرسبزی ہمیں قدرت کی قوت اور اس کی حفاظت کی اہمیت کا درس دیتی ہیں۔

4. چنبیلی کا پودہ

چنبیلی کا پودہ اپنی خوشبو اور خوبصورتی کے لیے مشہور ہے۔ یہ پودہ عام طور پر گرم آب و ہوا والے علاقوں میں پایا جاتا ہے اور اس کا پھول اپنی دلکش خوشبو کی وجہ سے دنیا بھر میں پسند کیا جاتا

ہے۔ چنبیلی کا پودہ عام طور پر باغات اور گھروں کے باغات میں لگایا جاتا ہے، جہاں یہ اپنے خوبصورت پھولوں کے ساتھ دلکش منظر پیش کرتا ہے۔

چنبیلی کے پھول سفید رنگ کے ہوتے ہیں اور ان کی خوشبو ہوا میں مہکتی ہے، جو انسان کی روح کو تسکین دیتی ہے۔ اس پودے کی موجودگی نہ صرف جمالیاتی خوبصورتی فراہم کرتی ہے بلکہ یہ ماحول میں خوشبو اور تازگی بھی لاتی ہے۔ چنبیلی کی خوشبو کے ساتھ، انسان اپنے دن کی تھکاوٹ بھول کر ایک نئی زندگی کی شروعات کرسکتا ہے۔

5. مراکش کا صحراء

مراکش کا صحرا ''صحرائے سہارا'' اپنی وسیع و عریض ریت کے ٹیلوں اور خوبصورت غروب آفتاب کے مناظر کے لیے جانا جاتا ہے۔ یہ صحرا افریقہ کا سب سے بڑا صحرا ہے، جہاں ریت کے ٹیلے ایک خاص شکل میں نظر آتے ہیں۔ یہاں کی ریت کی لہریں، جو ہوا کے ساتھ تبدیل ہوتی ہیں، ایک جادوئی منظر پیش کرتی ہیں۔

صحرا کی رات کا منظر بھی بے مثال ہے، جب آسمان پر چمکتے ستارے اور خاموشی کی گہرائی انسان کو ایک نیا تجربہ فراہم کرتی ہیں۔ صحرا کی زندگی میں اونٹ، جو صحراء کی زندگی کا اہم حصہ ہیں، اس کے حسن کو مزید بڑھاتے ہیں۔ مراکش کے صحرا کی مہم جوئی، کیمپنگ، اور آتشبازی کا تجربہ ہر سیاح کے دل کو بھاتا ہے۔

6. آبی جھیلیں

آبی جھیلیں، جیسے ''لیکو'' (Lake Baikal) جو روس میں واقع ہے، دنیا کی گہرے ترین جھیلوں میں شمار ہوتی ہیں۔ یہ جھیل اپنی شفافیت اور قدرتی خوبصورتی کے لیے مشہور ہے۔ لیکو کا پانی اتنا صاف ہے کہ اس میں موجود مخلوقات اور زمین کی تہیں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ یہ جھیل سیر کرنے والوں کے لیے ایک مثالی جگہ ہے، جہاں لوگ کشتیاں چلا سکتے ہیں یا پانی میں تیر سکتے ہیں۔ یہاں کا مناظر، خاص طور پر سردیوں میں جب جھیل برف سے ڈھکی ہوتی ہے، ایک خواب کی مانند لگتا ہے۔ لیکو کی خوبصورتی اس کی تازگی اور سکون میں ہے، جو ہر زائر کو اپنی جانب کھینچتا ہے۔

قدرت کی خوبصورتی کا فلسفہ

ان قدرتی جگہوں اور چیزوں کی خوبصورتی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم کس قدر خوش قسمت ہیں کہ ہم اس حسین زمین کا حصہ ہیں۔ ان مقامات کی حفاظت اور ان کے قدرتی حسن کا احترام کرنا ہماری ذمہ داری ہے تاکہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کو بھی یہ خوبصورتی دیکھنے کا موقع فراہم کر سکیں۔ قدرت کا یہ خزانہ ہماری زندگی کی رونق ہے، اور اس کی خوبصورتی ہمیں ہمیشہ یاد دلاتی ہے کہ زندگی میں سکون اور خوشی کی تلاش کس طرح کی جا سکتی ہے۔

☆......☆......☆

58



سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

مرہٹوں کی آنکھ اس وقت کھلی جب وہ چاروں طرف سے محصور ہو چکے تھے۔ ایک مختصر سی خونریزی کے بعد مرہٹہ سردار اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

ٹیپو کے فوجی افسروں نے ایک بار پھر اسے مشورہ دیا کہ عورتوں اور بچوں کو یرغمال بنا کر مرہٹوں پر دباؤ ڈالا جائے مگر سلطان نے جنگی قیدیوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا سلوک کیا اور انہیں عزت و احترام کے ساتھ انعام و اکرام دے کر پونا روانہ کر دیا۔

جب یہ عورتیں پونا روانہ ہو رہی تھیں تو ٹیپو نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

”جب تم اپنے گھروں میں پہنچ جاؤ تو پیشوا سے کہنا کہ تو اس شخص سے جنگ کرنا چاہتا ہے جو تیری عورتوں اور بچوں پر اس قدر مہربان ہے۔“

☆......☆......☆

کھوئے ہوئے علاقے حاصل کرنے کے بعد ٹیپو کو معلوم ہوا کہ مرہٹوں اور نظام کی فوجیں، شاہ نور کے گرد و نواح میں جمع ہو رہی ہیں اور اس مقام پر ایک فیصلہ کن جنگ کا انتظار ہو رہا ہے۔

سلطان نے اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ میمنہ پر میر معین الدین اور فرانسیسی دستے کو مقرر کیا۔ میر معین الدین، نواب حیدر علی کی ملازمت میں آنے سے پہلے کرناٹک کی انگریزی فوج میں ایک معمولی عہدے پر مامور تھا۔

نواب حیدر علی کے زمانے میں غداری کر

کے مرہٹوں سے مل گیا تھا اور گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوائی تھی کہ گرم کنڈہ ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا۔ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے یہ قلعہ میسور اور پائیں گھاٹ کی کنجی سمجھا جاتا تھا۔

اس قلعے پر جو بھی قابض ہوتا، وہ آسانی کے ساتھ میسور اور کرناٹک پر دباؤ ڈال سکتا تھا۔ مرہٹوں کے چلے جانے کے بعد حیدر علی نے اسے معاف کر کے سابقہ عہدے پر بحال کر دیا تھا۔

ٹیپو سلطان اس کے ماضی سے بے خبر تھا، اس لئے ایک پوشیدہ غدار کو نہ پہچان سکا۔ سلطان نے میرا الدین کی وفاداری کے بلند بانگ دعوؤں سے متاثر ہو کر اسے سپہ سالار بنا دیا۔

میر معین الدین بظاہر سلطان کا جانثار تھا مگر گرم کنڈہ کی جاگیر کی ہوس اب بھی اسے بے چین رکھتی تھی۔ ٹیپو نے میسرہ پر اپنے برادر نسبتی برہان الدین کو متعین کیا اور قلب میں خود مقیم رہا۔

اس فوج نے رات بھر پیش قدمی جاری رکھی اور صبح ہوتے ہی برہان الدین کے لشکر نے مرہٹہ فوج پر حملہ کر دیا جس کی قیادت ہری پنڈت اور راستیا کر رہے تھے۔

عین اسی وقت سلطان نے قلب پر حملہ کر دیا، یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ نظام اور مرہٹوں کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ سید حمید، فرانسیسی سپہ سالار موسیو لالی نے تعاقب کر کے مرہٹوں کا توپ خانہ چھین لیا۔ بالآخر سلطنت خداداد کے خلاف نظام کی یہ سازش بھی بری طرح ناکام ہوگئی۔

اس فتح کے بعد سلطان نے سید حمیر اور سید غفار کو شاہ نور کی طرف بھیجا۔ یہاں کا نواب عبد الحکیم خان باغی ہو کر نظام اور مرہٹوں سے مل چکا تھا۔ سلطانی افواج کی خبر ملنے پر نواب اپنے بیٹے عبدالخبیر خان کو چھوڑ کر فرار ہوگیا۔

سید حمید اور سید غفار نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر شاہ نور پر قبضہ کر لیا سارا مال غنیمت جمع کر کے سلطان کی خدمت میں بھیج دیا۔

ان مسلسل فتوحات سے سلطان کا حوصلہ اس قدر بڑھا کہ اس نے مرہٹوں اور نظام دکن سے مکمل طور پر نجات حاصل کرنے کے لئے تسخیر پونا وحیدر آباد کا منصوبہ بنا لیا اور پھر اس منصوبے پر عمل کرنے کے لئے اپنے سپہ سالاروں کو یلغار کا حکم بھی دے دیا۔

برہان الدین نے آگے بڑھ کر بنکا پور اور مصری کوٹہ پر قبضہ کر لیا اور سید حمید اور سید غفار نے سندرگی پر حملہ کر دیا۔ خود سلطان نے آگے بڑھ کر ہری پنڈت کو شکست دی۔

راجہ ہولکر جو پوری مرہٹہ فوج کی قیادت کر رہا تھا، اپنی حرم سرا کو چھوڑ کر میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔ جب یہ خبریں بیک وقت پونا اور حیدر آباد پہنچیں تو مرہٹوں کی طرف سے صلح کی پیشکش کی گئی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ ایک طاقتور دشمن نے گھٹنے ٹیک کر سلطان سے صلح کی درخواست کی تھی ورنہ

اب تک یہی ہوتا آیا تھا کہ حیدر علی کو مرہٹوں سے صلح کی درخواست کے ساتھ تاوان جنگ بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔نظام اور مرہٹوں سے جنگ کا یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔

☆......☆......☆

حیدر علی نے وراثت میں جو کچھ چھوڑا تھا، لائق فرزند نے اس میں مزید اضافہ کیا۔ٹیپو سلطان 1887 میں دارالحکومت پہنچا،سلطان کی تین سالہ غیر حاضری میں میر صادق علی نے رعایا پر اتنی سختیاں کیں کہ عوام،حکومت سے بیزار ہوگئی اور سلطان کو برا بھلا کہنے لگے۔

میر صادق یہی چاہتا تھا کہ ایک طرف اراکین سلطنت، ٹیپو سے غداری پر آمادہ ہو جائیں اور دوسری طرف رعایا اپنے فرمانروا سے بد دل ہو جائے۔اس کے علاوہ میر صادق نے خزانے میں بھی دست برد کی تھی۔ پورنیا اس راز سے واقف تھا مگر وہ جان بوجھ کر چشم پوشی سے کام لے رہا تھا۔

ایک تو قومی دولت کا زیاں اور دوسرے سیاسی انتشار آخر پورنیا اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور ٹیپو سلطان نے میر صادق کو عدالت میں طلب کرلیا۔

”کیا میں نے تجھے ان معصوم لوگوں پر جابر حاکم بنایا تھا؟“، ٹیپو نے انتہائی تلخ لہجے میں میر صادق سے پوچھا۔

”خدا کی قسم! میں نے اپنے نفس کی خاطر کچھ نہیں کیا“

میر صادق نے حسب عادت روایتی خوشامد اور مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

”آپ کی نرم دلی نے انہیں سرکش بنا دیا ہے۔میر کی سختیاں اس لئے ہیں کہ یہ اطاعت و فرمانبرداری کا سبق سیکھیں۔“ میر صادق نے بہت تاویلات پیش کیں۔ ٹیپو نے اس کی معذرت قبول بھی کر لی تھی مگر خزانے میں کی جانے والی دست برد اسے بے گناہ ثابت نہ کر سکی۔

آخر میر صادق کو معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ مہدی علی خان نائلہ کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔

کچھ دن بعد مہدی علی خان نائلہ کو حیدر نگر کے گورنر بدر الزماں نائلہ کا ایک خفیہ خط موصول ہوا جس میں چند اشارے تحریر تھے۔

”برادرم! میں اپنی بیٹی کی موت کو اب تک نہیں بھولا ہوں۔ ہم قبیلہ ہونے کی حیثیت سے وہ تمہاری بھی بیٹی تھی۔تمہیں وزارت عظمیٰ کا منصب مبارک ہو۔“

جواب میں مہدی علی خان نائلہ نے بھی چند اشارے تحریر کر دیے تھے۔

”مجھے اپنے عہد و پیمان بھی یاد ہیں اور تمہاری بیٹی کی موت بھی، وقت بڑی عجیب چیز ہے۔ وہ عنقریب تمہارے زخموں پر مرہم رکھ دے گا۔“ سلطنت خداداد میں ایک اور غدار سر اُبھار رہا تھا اور سلطان مسجد اعلیٰ کی بنیاد رکھ رہا تھا۔

یہ وہی مسجد تھی ، جس کا وعدہ ٹیپو نے بابا

عبدالرحمن شاہ صاحب مجذوب سے کیا تھا۔ جب ٹیپو سات سال کا بچہ تھا، اس وقت بابا عبدالرحمن شاہ نے اس سے کہا تھا کہ جب وہ ریاست کا حاکم ہو جائے تو اس جگہ ایک شاندار مسجد تعمیر کرا دے۔

ٹیپو سیاسی ہنگاموں میں مجذوب سے کیا ہوا وعدہ بھول گیا تھا۔

مگر جب وہ جنگی مہمات سے فارغ ہو کر پہنچا تو بابا عبدالرحمن شاہ اس کے خواب میں آئے اور فرمانے لگے۔

''خدا نے تو تجھ پر اپنی نعمتیں نازل کر دیں مگر تو نے اب تک اس کا گھر تعمیر نہیں کیا۔''

ٹیپو نے رات دن کی محنت سے سلطانی محل کے قریب ایک جگہ مقرر کر کے مسجد بنانے کی فکر میں لگ گیا۔

پھر جب سلطانی محل کے قریب خانہ خدا تعمیر ہو گیا تو ٹیپو نے اس کا نام ''مسجد اعلیٰ'' رکھا۔ (یہ مسجد آج بھی فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ سمجھی جاتی ہے)

مسجد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ پہلی نماز کی امامت کون کرے؟ اس وقت مسجد کے صحن میں دارالحکومت کے بڑے بڑے مشائخ اور علماء موجود تھے۔

''آپ جیسے بزرگوں کی موجودگی میں امامت کا کیا مسئلہ ہے؟'' ٹیپو سلطان نے علماء کے روبرو انتہائی مودب لہجے میں کہا۔

بعض علماء کے چہروں سے صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ امامت کرنے کے لئے بے چین ہیں مگر عین موقع پر سرنگا پٹم کے ایک ممتاز عالم، شاہ نصیر الدین نے ایک عجیب مسئلہ کھڑا کر دیا۔

''میرے خیال میں پہلی نماز کی امامت وہ شخص کرے جو صاحب ترتیب ہو۔''

شاہ نصیر الدین نے مسجد میں موجود تمام علماء اور مشائخ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''سلطان معظم نے یہ مسجد اس مرد بزرگ کی خواہش پر تعمیر کرائی ہے جو اہل دنیا کو بظاہر مجذوب اور بے پروا نظر آتے تھے۔ مگر دارالحکومت کے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بابا عبدالرحمن شاہ نماز کی کس قدر پابندی کرتے تھے۔''

شاہ نصیر الدین کی تجویز سن کر تمام علماء اور مشائخ کے چہرے اتر گئے۔ اگرچہ وہ سب کے سب علم حدیث و فقہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی صاحب ترتیب نہیں تھا۔

اسلامی فقہ کی اصطلاح میں صاحب ترتیب اس شخص کو کہتے ہیں، جس کی ذمہ زندگی بھر میں پانچ یا اس سے زیادہ نمازیں قضا نہ ہوئی ہوں۔

''پھر بسم اللہ کیجئے!'' ٹیپو ایک ایک عالم اور ایک ایک شیخ سے یہی بات دہراتا مگر ہر شخص معذرت کر لیتا۔

''سلطان محترم! میں صاحب ترتیب نہیں ہوں۔''

''پھر نماز کی امامت کون کرے گا؟''

ٹیپو نے علماء اور مشائخ سے سوال کیا۔

"نماز کا وقت گزر رہا ہے۔" علماء اور مشائخ کے چہروں پر ندامت کا عکس نمایاں تھا اور ان کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔

"تو پھر آئیے! نماز تو قضا نہیں کی جا سکتی" یہ کہہ کر ٹیپو سلطان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو کیا آپ امامت فرمائیں گے؟"

شاہ نصیر الدین اور دوسرے علماء کی زبان سے بیک وقت ایک ہی جیسے الفاظ ادا ہوئے۔

"میں تو نہیں چاہتا کہ یہ راز فاش ہو مگر جب اللہ کی یہی مرضی ہو تو پھر ایک عاجز بندہ کیا کر سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر ٹیپو سلطان امام کے مصلے کی طرف بڑھا۔

"میری زبان خالق کائنات کا شکر کس طرح ادا کرے کہ اس نے اپنے ایک کمزور ناتواں بندے کو صاحب ترتیب بنایا۔"

تمام علماء اور مشائخ مبہوت کھڑے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک نواب زادہ عیش و آسائش کے ماحول میں پرورش پانے کے باوجود اس قدر متقی ہو سکتا ہے۔

ٹیپو سلطان نے اس قدر پرسوز لہجے میں قرآت کی کہ اکثر نمازیوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

نماز ادا کرنے کے بعد ٹیپو نے ضرورت مندوں اور محتاجوں میں نقد رقم کے علاوہ کپڑے بھی تقسیم کئے۔

بعض علماء کو مسجد اعلیٰ کے رنگ پر اعتراض تھا۔ دبی زبانوں کے ساتھ انہوں نے اپنا یہ اعتراض ٹیپو پر ظاہر بھی کر دیا تھا۔

"سلطان معظم! اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مسجد فن تعمیر کا عملی نمونہ ہے۔ مگر اس کا رنگ روایت کے مطابق نہیں۔ سفید یا سبز ہونا چاہئے تھا۔"

"کیا رنگ کے بارے میں کوئی شرعی قانون موجود ہے؟" ٹیپو نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ علماء سے سوال کیا۔

"کوئی قانون تو نہیں مگر پھر بھی خانہ خدا کا یہ رنگ کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔"

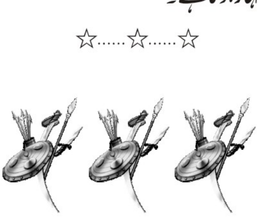
علماء کے لہجے سے شدید حیرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ مسجد اعلیٰ کا رنگ اس قدر غیر روایتی تھا کہ ہر دیکھنے والا چونک اٹھتا تھا۔

بھورے رنگ کی زمین پر سیاہ دھاریاں نمایاں تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے مسجد کی دیواروں پر شیر کی کھال بچھا دی گئی ہو۔

"یہ میرا پسندیدہ رنگ ہے۔" ٹیپو نے علماء کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"میرے نزدیک اس رنگ سے جلال و جرئت کا اظہار ہوتا ہے۔"

☆......☆......☆



فلسطین

(تاریخ کے آئینے میں)

یریداحمد نعمانی



وہ ارض مقدسہ جسے انبیاء کرام کا مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے، جس کے ارد گرد برکت ہی برکت کا نزول ہے، جہاں سے پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد ﷺ روح القدس کے ہمراہ سفر معراج کے لیے پابرکاب ہوئے، جس دھرتی پر سید الثقلین ﷺ نے نبیوں کی امامت کرا کے امام الانبیاء کا لقب پایا۔

جی ہاں وہی پرعظمت و پرشوکت زیتون کے درختوں سے آراستہ و پیراستہ سرسبز وشاداب بقعہ ارضی، جہاں اسلام کی عظمت رفتہ اور جنت گم گشتہ کا نشان قبلہ اول کی صورت میں موجود ہے، جس کے فاتح اوّل فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے، جس کے درودیوار نے ایوبی کی تکبیر سنی تھی، جہاں خیر کا نور پھیلانے والوں اور شر کی تاریکی میں اضافہ کرنے والوں کے درمیان آخری مگر عظیم معرکہ بپا ہونے کا میدان سج چکا ہے، آج طاغوتی قوتوں کے زیرنگیں وقبضہ ہے۔

"مغضوبین"، "ضالین" کے زیرسایہ وانتظام گزشتہ چھ عشروں سے مسلمانان فلسطین کا جانی، مالی اوراقتصادی استحصال میں مصروف عمل ہیں۔

"بھٹکی مادیت" نے اپنے طرزفکروسوچ اور بوالہوسی کا راگ اس طو پر الاپا ہے کہ غیرتو غیر "اپنے" بھی اس کی گردش اور بھنور میں غوطہ زن ہیں، فکر معاش، تعیش پسندی اور اپنی شکم سیری کی زنجیروں میں ایسے جکڑے ہیں کہ اپنے آقا ﷺ کے اس ارشاد مبارک کو ہی بھلا بیٹھے، جس میں آپ نے مسلمانوں کی اجتماعیت کی تشبیہ ایک جسم سے دی ہے، بدن کے ایک عضو کی تکلیف والم پورے وجود میں سرایت کرتی اور محسوس کی جاتی ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے، عالم اسلام کے اس رستے ہوئے ناسور پر کوئی اینکر پرسن، کوئی وزیرومشیر اور کوئی صاحب منصب وجاہ امت کی منتشر سوچ کو مجتمع، منظم اور مربوط نہیں

کرتا؟ آئیے اسی چبھتے سوال کے جواب کے تناظر میں "بقعہ نور" کی قدیم تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں جو شاید ہمارے "خوابیدہ" دلوں کو بیدار کرنے میں قوت عمل مہیا کرجائے!

محل وقوع کے اعتبار سے فلسطین براعظم ایشیاء کے مغرب میں بحر متوسط کے جنوبی کنارے پر واقع ہے اس علاقے کو آج کل مشرق وسطیٰ بھی کہا جاتا ہے، شمال میں لبنان اور جنوب میں خلیج عقبہ واقع ہے، جنوب مغرب میں مصر اور مشرق میں شام اور اردن سے اس کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں۔ جبکہ مغرب میں بحر متوسط کا طویل ساحل ہے، فلسطین کا رقبہ حنفہ اور غزہ سمیت ۲۷ ہزار کلو میٹر پر مشتمل ہے۔

فلسطین کے طبعی جغرافیائی علاقوں میں فلسطین کا طویل ساحل جو ناقورہ سے لے کر رفح تک جنوب میں پھیلا ہوا ہے سرفہرست ہے۔ جس کا عرض ۱۶ سے ۱۸ کلو میٹر تک ہے، اس ساحل کے مشہور شہروں میں طولکرم، خان یونس، رملہ، عکا، یفاء، یافا اور غزہ ہیں۔ اسرائیل نے اپنا دارالحکومت بھی یافا کے شمال میں بنایا ہے، جبکہ پہاڑی سلسلوں میں نابلس، کرمل، خلیل اور القدس کے پہاڑی علاقے مشہور ہیں، واضح رہے کہ خلیل پہاڑ کے دامن میں خلیل شہر آباد ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں مدفون ہیں۔

علاوہ ازیں قدس کے پہاڑوں میں سب سے اونچا پہاڑ جبل طور ہے، جس میں بیت المقدس کا علاقہ واقع ہے، مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ بھی اسی شہر کی زینت و رونق ہیں۔ میدانی علاقوں میں نقب اور اغوار کے علاقے شامل ہیں، اغوار فلسطین کا مشرقی علاقہ ہے، جسے دریا اردن کاٹتا ہے اور بحر میت بھی اس کے کنارے واقع ہے، اس علاقے میں اریحا نامی شہر ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔

فلسطین اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں کنعانیوں کا مرکز رہا ہے، ان علاقوں میں جتنے قدیم شہر تھے وہ سارے کنعانیوں نے ہی آباد کیے تھے، کنعانی قبیلے کی اہم شاخ "ببوسی" قوم نے القدس شہر بسایا تھا۔ کنعانی دور کے بعد عبرانی دور کی باری آتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارض کنعان کی طرف ہجرت فرمائی، بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعے آپ کی اولاد مصر کی حکمراں بنی، پھر بتدریج قبطی ان پر غالب آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مصر سے نکالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں ان عبرانیوں نے کنعان کو فتح کیا یہاں سے عبرانی دور کا آغاز ہوا، عبرانیوں کے حکمرانوں میں دو جلیل القدر پیغمبر حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام بھی گزرے ہیں۔

"بلست" نامی قبیلہ مغرب سے جنگ زدہ ہو کر نکلا، اس نے اس علاقے کے ساحلی علاقوں یافا

سے غزہ تک کے علاقے پر قبضہ کرلیا، اس قبیلے نے اپنے مقبوضہ علاقے کا نام اپنے نام سے موسوم کر کے فلسطین رکھ دیا یہ نام ایسا غالب رہا کہ آج اس پورے خطے کو فلسطین ہی پکارا جاتا ہے، ان نووارد فلسطینیوں اور عبرانیوں کے مابین کئی جنگیں ہوئیں، جس کے نتیجہ میں حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کے سردار جالوت کو قتل کر دیا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے۔

۵۳۸ ق م میں فارس کے ایک بادشاہ نے شام کو پورے علاقے کو بشمول فلسطین قبضہ کرلیا، فارس کی حکومت ۳۳۲ ق م یہاں سے ختم ہوگئی۔

۳۳۲ ق م میں ہی مقدونی بادشاہ سکندر اعظم نے یہ علاقہ فارسیوں سے ہتھیا لیا، اس کی موت کے بعد اس کے جانشینوں نے یہاں یونانی ثقافت وتہذیب کو پروان چڑھانے کی سرتوڑ کوشش کی، اس مقصد برآوری کی خاطر انھوں نے کئی شہر آباد کیے، مدارس کھولے یونانی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا، لیکن اکثر علاقوں میں سریانی زبان وتہذیب کو لوگوں نے حرز جان بنائے رکھا۔

۶۳ ق م میں روم کے مشہور قائد "بومبی" نے یونانیوں کا زور فلسطین میں توڑ ڈالا، پھر یہ علاقہ رومیوں کے پاس رہا، یہاں تک کہ ۶۳۶ / میں اسلام کا پھریرا اس علاقہ پر لہرایا، اس دور کی اہم خصوصیات میں سے چند اہم یہ ہیں: (۱) حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ (۲) یہودیوں کو دو مرتبہ شکست ہوئی۔ پہلی مرتبہ ۷۰ / میں تیطس رومی کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوئے اور دوسری دفعہ ۱۳۵ / میں جب یہود نے دوبارہ منظم ہونے کی کوشش کی، اس دور کے رومی بادشاہ "معادریان" نے خود حملہ کیا اور یہودیوں کو سفاکی سے قتل کیا اور باقی کو دنیا کے مختلف علاقوں میں جلاوطن کیا اب دو ہزار سال بعد اس دھتکاری ہوئی قوم کو فلسطین میں اپنے قدم جمانے کا موقع ملا ہے۔

فلسطین کی اہمیت اسلام اور مسلمانوں کے لیے اس حوالے سے بہت واضح رہی ہے کہ ابتداء اسلام میں یہ ان کا قبلہ اوّل رہا ہے، اسی وجہ سے رومیوں کے ساتھ معرکے حضرت جناب نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں شروع ہو گئے تھے۔ سرور دو عالم ﷺ نے اپنا آخری لشکر جیش اسامہ رومیوں کے مقابلے کے لیے ترتیب دیا ہی تھا کہ آپ اس دنیا سے پردہ فرما گئے، آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے روانہ فرمایا، ارتداد کی مہم سے فارغ ہو کر خود بھی اس جانب توجہ دی۔ یہاں تک کہ ۱۶ھ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بیت المقدس مسلمانوں کے زیر قبضہ آگیا۔

چھٹی صدی ہجری میں بلادِ اسلامیہ پر صلیبیوں نے حملہ کیا، جس کے نتیجے میں فلسطین میں صلیبی حکومت قائم کرلی گئی، طاقت اور قوت کے بل بوتے پر ستر ہزار مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا گیا، لیکن

صلیبیوں کی یہ حکومت دیر پا ثابت نہ ہوسکی مشہور مجاہد صلاح الدین ایوبی نے جلد ہی بیت المقدس کو صلیبی پنجہ استبداد سے وا کرالیا، ۲۷/ رجب ۵۳۸ھ کو بیت المقدس دوبارہ تکبیر کے زمزموں سے گونج اٹھا۔

جس وقت عالم اسلام کو استعماری طاقتوں نے اپنی سازشوں کا ہدف بنایا اور فلسطین کی سرزمین برطانیہ کے استعماری قبضہ میں آنے لگی تو مکار اور شاطر یہودیوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اس خطے کے حصول کی خاطر کوششیں تیز کردیں ۱۸۳۹/ میں سب سے پہلا مغربی سفارتخانہ جو بیت المقدس میں کھلا وہ حکومت برطانیہ کا تھا، جس کا واحد مقصد یہودیوں کی خدمت گذاری تھا، اس کے ساتھ ہی پوری دنیا سے یہودیوں کو بیت المقدس میں جمع کرنا شروع کردیا گیا، اس وقت پورے فلسطین میں صرف نوہزار کے قریب یہودی تھے۔

۱۸۹۵ء میں ایک یہودی مفکر "النمساوی ہیرتسل" نے ایک کتاب شائع کی جس کا عنوان تھا "یہودی مملکت" جس میں اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ یہودی قوم کو ایک حکومت کی ضرورت ہے، اس مقصد کے لیے فلسطین سے بہتر کوئی جگہ ان کی نظر میں نہ تھی۔ اس دور میں یہودیوں کی عالمی سطح پر دو بڑی کانفرنسیں ہوئیں، پہلی کانفرنس ۱۸۹۷ء اور دوسری ۱۸۹۸ء میں، جن کا حاصل یہ تھا کہ یہود اپنے قدیم وطن فلسطین کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے منظم ہوجائیں، چونکہ فلسطین خلافت عثمانیہ کا ایک حصہ تھا اور وہی اس کے مالک ومتصرف تھی، اس کے مقابلے کے لیے قوم یہود نے ہر طرح کے حربے استعمال کرنے شروع کردئیے۔

خلافت عثمانیہ کے آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید کو اپنے دام تزویر میں پھنسانے کے لیے انھوں نے مختلف سطحوں پر ساز باز شروع کی، جس میں بھاری رقوم دے کر ترکوں کو خریدا گیا، خود خلیفہ عبدالحمید کو لالچ دیے گئے یہاں تک کہ ایک دفعہ ترکی کے یہودیوں کا ایک وفد سلطان سے ملا اور ان کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ فلسطین اگر یہودیوں کو دے دیا جائے تو اس کے بدلے ہم خلافت عثمانیہ کے ماتحت رہ کر خلافت کے سارے قرضے اتار دیں گے، جواب میں سلطان نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر ان کو دکھایا پھر فرمایا "اگر فلسطین کا اتنا حصہ بھی تم لینا چاہو گے تو نہیں ملے گا"

سلطان عبدالحمید سے مایوس ہوکر اللہ کے غضب کی ماری اس قوم نے ان کی شہرت عام کو بگاڑنے کی کوشش شروع کردی، چونکہ ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کی اجارہ داری تھی اس لیے اس ہتھیار سے کام لے کر سلطان پر "رجعت پسندی اور نسل پرست" جیسے بے پر کے الزامات کا سلسلہ شروع کردیا گیا، نتیجتاً خلافت عثمانیہ میں قومی

نعروں کو پروان ملی۔

۱۹۰۹ء سلطان عبدالحمید کا انتقال ہوا تو گویا اس دن سے اسرائیل کے وجود کی بنیاد پڑ گئی، حکومت میں موجود صہونیت نواز لوگوں کا ایک ایسا طبقہ موجود تھا جو برابر یہودیوں کو فلسطین منتقل کرنے میں مدد دیتا رہا، یہاں تک کہ ۱۸۹۷ء میں ان کی تعداد پچاس ہزار تھی اور یہی تعداد ۱۹۱۴ء میں ۸۵ ہزار ہوگئی۔

یہود ایک مالدار قوم تھے، ہر ملک میں بڑے بڑے بیوپاریوں اور ساہوکاروں کی صورت میں موجود تھے، جس کی وجہ سے ملکوں کی سیاست اور معاملات پر ان کا اثر انداز ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں تھا، انھوں نے خلافت عثمانیہ کو ہر طرح اور ہر سطح پر دباؤ میں رکھنے کی کوشش کی، اور دنیا کو باور کرایا کہ فلسطین کا حصول یہودیوں کے لیے ناگزیر ہے، لیکن خلافت عثمانیہ ان کے باطل عزائم اور ارادوں کے سامنے سد سکندری ثابت ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس بے حقیقت مفروضے کی بنیاد پر حکومت مصر کے توسط سے صحراء سینا میں یہودیوں کو بسانے کی ایک مرتبہ کوشش بھی کی گئی، جس میں وہ ناکام ہوئے۔ اس کے بعد دنیا کی سیاست میں کچھ ایسے حالات آئے جو فلسطین میں بدی کی "نمائندہ قوم" کے لیے قیام حکومت کی راہ ہموار کرتے چلے گئے، جن میں چار حالات کا بطور خاص ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے:

(۱) دو عالمی جنگوں کا وقوع پذیر ہونا۔

(۲) ہٹلر کے ہاتھوں یہودیوں کا قتل عام جس سے وہ دنیا کو اپنی مظلومیت ثابت کر پائے۔

(۳) خلافت عثمانیہ کا سقوط۔

(۴) فلسطین کا برطانوی استعمار کے زیر دست ہو جانا۔

آخر الذکر سبب کے تحت برطانوی استعمار نے یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کے لیے حتی المقدور تعاون کیا۔ مقامی باشندوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کیا گیا، یہودی بستیاں آباد کی گئیں، تل ابیب کو مضبوط کیا، یہودیوں کے استحکام سے مطمئن ہو کر خود ۱۴/مئی ۱۹۴۸ء کو فلسطین سے نکلنے کا اعلان کیا، جاتے جاتے اہم مقامات، سرکاری دفاتر، ہوائی اڈے یہودیوں کو بطور بخشش دے گئے، جبکہ مسلمانوں کا جانی، مالی اور اقتصادی استحصال کیا گیا، جس کے نتیجے میں کچھ قتل ہوئے اور اکثر ہجرت پر مجبور ہوئے۔

یوں ۱۵/مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیلی مملکت کا اعلان قیام ہوا، جسے چند ہی لمحوں میں امریکہ، روس اور یورپ نے تسلیم کر لیا، اسلامی ممالک میں سے صرف ترکی اور اس وقت کے شاہ ایران نے یہ ناجائز ریاست تسلیم کر کے اپنے فکری ضلالت پر مہر تصدیق ثبت کی۔

☆......☆......☆

☆......☆......☆



شوقِ کتب اور ذوقِ مطالعہ

ابوبکر محمد

عربی زبان کے نامور شاعر متنبی کے ایک شعر کا مصرع ہے:

"وخير جليس في الزمان كتاب"

کہ زمانہ میں بہترین ہم نشین کتاب ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اچھی کتاب اپنے قاری کے لیے ایسے دوست کی حیثیت رکھتی ہے جو اُس کو کبھی تنہائی کا احساس ہونے دیتی ہے، نہ اُکتاہٹ کو اُس کے قریب پھٹکنے دیتی ہے۔ یہ ایک ایسے ہم سفر کی مانند ہے جو اپنے ساتھی کو دور دراز کے علاقوں اور شہروں کی سیر کرا دیتی ہے۔

اسی سے انسان کو ایسی شخصیات سے مصاحبت کا شرف حاصل ہو تا ہے، جن سے ملاقات کی خاطر طویل اسفار طے کیے جاتے ہوں یا جو راہیِ عدم ہو چکے ہوں۔ متعدد و متنوع افکار و نظریات سے واقفیت اسی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

کتابوں سے وابستگی کی نعمت کا کسی کو ادراک ہو جائے تو اُس کے لیے بغیر مطالعہ کے زندگی گزارنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہی اس کے دن رات کا اوڑھنا بچھونا بن جاتی ہیں۔ وہ اگر بیمار بھی ہوتا ہے تو کتاب ہی اُس کا علاج ہوتی ہے۔ رنج و بے چینی کی حالت میں کتاب ہی اس کی غمخواری کا سامان فراہم کرتی ہے۔ مشکلات و مصائب میں بھی وہ ہی تسلی کا باعث ہوتی ہے، کیونکہ کتاب ہی تو اُس کے شب و روز کی دمساز و ہمراز بن چکی تھی۔

کتابوں سے حد درجہ عقیدت، اُن کو جمع کرنے کا شوق، اپنے ذاتی کتب خانے کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی جستجو اہلِ ذوق میں نمایاں رہی ہے، اور شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ اس سلسلے میں وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

چھٹی صدی کے ایک حنبلی عالم امام ابن الخشابؒ (متوفی: ۵۶۷ھ) کے بارے میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ موصوف نے ایک دن ایک کتاب ۵۰۰ درہم میں خریدی، قیمت ادا

کرنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی، لہٰذا تین دن کی مہلت طلب کی اور مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر مکان بیچنے کا اعلان کیا، اس طرح اپنے شوق کی تکمیل کی۔ (ذیل طبقات الحنابلۃ)

ماضی قریب میں بھی ایسے متعدد اہلِ علم و دانش گزرے ہیں جن کا کتابوں سے والہانہ تعلق تھا، یہی ان کا اوڑھنا بچھونا اور اسی میں وہ اپنے دن رات بتاتے تھے۔

مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ (متوفی ۱۹۷۶ء) کے ذوقِ مطالعہ کا اندازہ اُن کے جادو نگار قلم سے نکلی شاہکار تصنیف ''آپ بیتی'' سے لگایا جا سکتا ہے۔ مرحوم شروع ہی سے ہر کتاب کو پڑھ ڈالنے کے شوق میں گرفتار تھے۔ مذکورہ بالا کتاب میں ہی ایک سے زائد مواقع پر حضرت نے اپنی اس وارفتگی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ایک مقام پر کتابوں سے محبت اور اُن کے حصول پر مسرت کا اظہار کچھ اِس انداز سے کرتے ہیں:

''پہلے تو یہ کتابیں مانگ مانگ کر پڑھیں، پھر جب لت پڑ گئی اور نشہ اور تیز ہو گیا تو فیس ادا کر کے انجمن کا ممبر باضابطہ بن گیا اور بہت سی کتابیں اکٹھا کر لیں ...... اور اپنے اس ننھے منے کتب خانہ کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا۔''

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا نیا ایڈیشن (گیارہواں) ۳۵ ضخیم جلدوں میں دریا بادیؒ کی حیات میں ہی چھپ کر لائبریری تو آ گیا تھا، لیکن وقت محدود اور شوق لامحدود ہونے کی وجہ سے قرار نہ آیا، آخر جب معلوم ہوا کہ ایک طالب علم نے اپنے ہاں یہ کتاب منگالی ہے تو بے تاب ہو کر اُس کے ہاں جا پہنچے اور اپنی اس کیفیت کو الفاظ کا جامہ پہنا کر یوں ظاہر کیا:

''شوق کے پیروں سے دوڑ کر نہیں، شوق کے پروں سے اُڑ کر ان کے ہاں ناخواندہ مہمان بن کر پہنچا۔''

پھر جب ایک جلد لے کر موصوف اپنے گھر پہنچے تو لکھتے ہیں:

''بیٹھ کر اور لیٹ کر، کبھی میز پر رکھ کر اور کبھی ہاتھ میں لے کر، ہر طرح اور ہر ڈھب سے پڑھنا شروع کر دی۔ کتاب کیا ملی، دولتِ ہفت اقلیم ہاتھ آ گئی ...... کتابوں سے ایک نسبتِ تعبدی قائم ہو گئی تھی۔ بس چلتا تو انہیں کلیجہ سے لگاتا، چومتا، چاٹتا، ان کی پوجا کرتا!'' (ص: ۱۳۴)

مسلمانوں میں کتب خانوں کی اہمیت اس حد تک تھی کہ کتابوں کا وجود رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کا سبب بن گیا تھا، لڑکیوں کے جہیز میں کتب خانے دیئے جاتے تھے، گویا نکاح شرعی اور سماجی ضرورت کے ساتھ علمی ضرورت بھی بن گیا تھا، چنانچہ امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۳۸ھ) نے سلیمان بن عبد اللہ زغندانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۲۱ھ) کی بیٹی سے شادی اس لیے کی تھی کہ اس سے انہیں امام شافعیؒ

(متوفی ۲۰۴ھ) کی جملہ تصانیف پر مشتمل کتب خانہ مل جاتا تھا۔ (أنساب للسمعاني: ۶/۳۰۶)

آج علمی انحطاط کے اس دور میں بھی ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں جن سے علم کی قدردانی اور کتابوں کی قدر و منزلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ اس زمانہ کے نامور علم دوست شخصیت، ہمدرد دواخانہ کے سربراہ حکیم محمد سعید مرحوم نے اپنی بیٹی کے جہیز میں ذاتی کتب خانہ دیا۔ معلوم ہوا کہ اہلِ علم کے ہاں کتابوں کو ایک عظیم مرتبہ حاصل تھا، لوگ خوشی و مسرت کے مواقع پر کتابوں کو بھی تحائف کے طور پر دیا کرتے تھے، اور اچھی کتاب کا ہدیہ ایسا ہدیہ ہے جو انسان کے لیے محض مادی حیثیت کا ہی حامل نہیں، بلکہ یہ اس کے فکری تنوع اور ترقی علم کے ساتھ دیگر باطنی فوائد کے حصول کا باعث بھی ہوتا ہے۔ پھر کتاب آدمی کے لیے ایک دائمی یادگار اور اس سے وہ تاحیات فائدہ حاصل کرسکتا ہے، وہ اگر کسی طرح ضائع بھی ہوجائے تو اس کے مطالعے سے حاصل شدہ فوائد، علمی نکات اور عملی ترغیبات سے ساری زندگی وہ مستفید ہوسکتا ہے، بالفاظِ دیگر کتاب کا نفع دیرپا ہے، لہٰذا اگر اِس دور میں بھی تحائف کا تبادلہ مفید کتابوں کی شکل میں کیا جائے تو معاشرہ میں علمی ذوق بھی پروان چڑھے گا اور لوگوں کی علمی، عملی اور فکری اصلاح کا بھی ذریعہ ہوگا۔

کتابوں سے شغف اور کتب خانے قائم کرنے کی جستجو اہلِ علم کا ہی امتیاز نہ تھا، بلکہ ہر فرد کی ہی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اس کے پاس کتابوں کا ایک ذخیرہ ہو، اس کا گھر کتابوں سے آراستہ ہو، کتابوں کا وجود باعثِ تفاخر امر سمجھا جاتا تھا۔ کتبِ تاریخ کے مطالعے سے اس نتیجہ کو باآسانی حاصل کیا جاسکتا ہے کہ ہر طبقہ میں ایسے اشخاص موجود تھے جو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس شوق کے اسیر تھے۔ یہاں امیر وغریب، عالم اور غیر عالم، بادشاہ اور ملازم کی کوئی تفریق نہ تھی، بالفاظِ دیگر کتب و کتب خانے مسلم معاشرے کے لوازمِ حیات بن گئے تھے۔ پڑھے لکھے لوگوں کے لیے اگر ان کی علمی پیاس بجھانے کا سامان مہیا کرتے تو بے پڑھے لکھے لوگوں کے محلات اور گھروں کی زینت کا باعث ہوتے۔

کتابوں کا سب سے بڑا اور اولین مقصد یہی ہے کہ ان کو پڑھا جائے اور استفادہ کیا جائے، وہ مصنف کے طویل مطالعہ کا نچوڑ ہوتی ہیں، قاری اُن سے کم وقت میں بہت سے فوائد حاصل کرسکتا ہے۔ مطالعۂ کتب کے چند فوائد ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱:......مطالعہ سے متعدد و متنوع افکار سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

۲:......ایک ہی مضمون کو کئی اسالیب میں اظہار کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔

۳:......آدمی کی فکر اور سوچ کا دائرہ وسیع ہوتا

ہے، دماغی صلاحیتیں جلا پاتی ہیں۔

۴:...... پڑھنے سے قوتِ حافظہ کو تقویت ملتی ہے، چنانچہ امامِ بخاریؒ (متوفی ۲۵۶ھ) سے حافظہ کی دوا کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمانے لگے:

"لا أعلم شيئاً أنفع للحفظ من نهمة الرجل و مداومة النظر۔" (سیر اعلام النبلاء للذهبی: ۱۲/۴۰۶)

کہ حافظہ کے لیے آدمی کے انہماک، دائمی نظر و مطالعہ سے بہتر کوئی چیز میرے علم میں نہیں۔

۵:...... اپنی کمزوریوں اور جہالت کا ادراک ہوتا ہے اور حصولِ علم کی جستجو میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

۶:...... صحیح اور غلط کی پہچان اور تنقید کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

۷:...... وقت فضولیات میں ضائع ہونے سے محفوظ ہوتا ہے۔

۸:...... مختلف لوگوں کے اسالیب تحریر سامنے آتے ہیں، جس سے لکھنے کا صحیح ڈھنگ آجاتا ہے۔

۹:...... کتابوں کے مطالعے سے فن تخلیق کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

۱۰:...... آدمی کی ہمت اور حوصلہ میں اضافہ ہوتا ہے، کچھ کر دکھانے کا جذبہ اس میں جوش مارنے لگتا ہے کہ جب دنیا یہ کارنامے انجام دے سکتی ہے تو میں بھی کرسکتا ہوں۔

مذکورہ بالا تمام فوائد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ انسان میں مطالعہ کا شوق دیگر چیزوں کے شوق پر غالب ہو، کتابوں کی حیثیت اس کے نزدیک تمام سامانِ آرائش و آسائش سے بڑھ کر ہو، کوئی دن بِن مطالعہ کے نہ گزرے اور یہی علمی ذوق اور دانشورانہ مزاج کے نشوونما پانے کی پہلی سیڑھی ہے، کیونکہ بقول پروفیسر محسن عثمانی ندوی کے "انسان کا دانشورانہ مزاج" کبھی کسی ماحول میں کتاب پڑھ لینے سے نہیں بنتا ہے، علمی ذوق کا مطلب یہ ہے کہ ہر حالت میں، صحت اور بیماری میں، حالتِ اقامت میں اور حالتِ مسافرت میں کتابوں کا سفر جاری رہے۔"

اب سوال یہ ہے کہ مطالعہ کیا کیسے جائے؟ لیکن اس سے بھی پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ مطالعہ کیا کیا جائے؟ اس بارے میں دوٹوک کوئی بات کہنا تو دشوار ہے، کیونکہ ہر شخص کا ذوق دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، ایک آدمی ایک فن سے دلچسپی رکھتا ہے تو دوسرا دوسرے سے، البتہ چند ایسے امور ذکر کیے جاسکتے ہیں، جن کی روشنی میں اس جہت کا تعین ممکن ہے:

۱:...... سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی گئی کتابوں کو مطالعہ میں رکھا جائے، جیسے سیرت النبیؐ، سیرتِ مصطفیؐ، النبی الخاتمؐ وغیرہ۔

۲:...... صحابہؓ اور صحابیاتؓ کے حالات پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔

۳:......علماء اور صلحاء بالخصوص ماضی قریب کے اُن بزرگانِ دین کی زندگیوں کو پڑھا جائے جن کے آج ہم نام لیوا ہیں اور جنہوں نے کسی بھی حیثیت سے اُمتِ مسلمہ کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔

۴:...... جس فن سے دلچسپی ہو اس کے ماہرین کی مشاورت سے متعلقہ کتب کو اختیار کریں۔

۵:...... اہلِ علم کی محسن کتابوں یا اس جیسے عنوانات پر لکھی گئی تحریرات اور کتابوں کو دیکھ کر اپنے لیے کتابوں کا انتخاب کیا جائے۔

۶:...... کتابی ذوق رکھنے والے افراد سے وابستہ رہا جائے اور کتابوں کے حوالے سے وقتاً فوقتاً ان سے راہنمائی لی جائے، کیونکہ جیسے اچھی کتاب کے مطالعہ سے آدمی فکری بلندیوں کو حاصل کرلیتا ہے، اسی طرح کسی غیر موزوں کتاب کے پڑھنے سے وہ اخلاقی پستیوں کا بھی شکار ہوسکتا ہے۔

کتاب کی تعیین کے بعد جب آپ پڑھنا شروع کریں تو چند باتوں کا اہتمام ان شاء اللہ! خاطرخواہ فوائد کے حصول کا باعث ہوسکتا ہے:

۱:......اس تصور کے ساتھ مطالعہ کا آغاز کریں کہ یہ پڑھنا ہی اس وقت میرے لیے دنیا کا اہم ترین مشغلہ ہے۔اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ ہجوم میں بھی ہوں گے تو یکسوئی آپ کو خود بخود حاصل ہوجائے گی۔

۲:...... پڑھنے کے لیے دن میں وقت ضرور مقرر کریں، تاکہ پڑھنے کی عادت پیدا ہوجائے، اس کے علاوہ بھی جب موقع میسر آئے کچھ نہ کچھ پڑھ ڈالیے۔

۳:......سب سے پہلے آپ کتاب کی فہرست اور اگر اس پر کوئی مقدمہ یا کسی کا تبصرہ ہو تو اس کو پڑھ لیجیے۔

۴:...... مطالعہ سے قبل قلم اپنے ہاتھ میں تھام لیجیے اور دورانِ مطالعہ اہم باتوں کو نشان زد کرتے جائیے، جب فارغ ہوجائیں تو اُن مفید امور کو اپنی مخصوص ڈائری میں قلمبند کیجیے، تاکہ مکرر تلاش کی مشقت سے محفوظ ہوجائیں۔

۵:...... مطالعہ کے بعد دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر مطالعہ شدہ مواد سے نتائج اخذ کریں اور پھر حاصل مطالعہ اور نتائج کو ذہن نشین کرلیں، اچھا ہوگا کہ اس کو بھی کاغذ پر منتقل کرلیں۔

۶:......کتاب کے اختتام کے بعد اس کا اور مصنف کا مختصر تعارف اپنے پاس نوٹ کرلیں، ساتھ ہی کتاب اور مصنف سے متعلق ذاتی اَثرات اور تبصرہ بھی محفوظ کرلیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اِن سطورِ بالا کو قبولیت سے ہمکنار فرما کر ہمیں بھی اپنے اسلاف کی طرح علم سے وابستگی، مطالعہ کا ذوق، کتابوں سے شغف عطا فرمادے۔

☆......☆......☆

صبر ایوب علیہ السلام

عمار حسین



اللہ کے برگزیدہ رسول اور خلیل ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں ایک پیغمبر بڑے صابر و شاکر گزرے ہیں، جن کا صبر ضرب المثل ہے۔ ان کا نام حضرت ایوب علیہ السلام تھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نہایت دولت مند، صاحب ثروت اور بڑے زمیندار تھے۔

دمشق (شام) کے نواحی علاقے بیچپنہ میں ان کی وسیع زرعی اراضی تھی۔ وافر مال و متاع اور مویشیوں کی کثرت نے انہیں علاقے کا سب سے بڑا اور با اثر زمیندار بنا دیا تھا۔ بڑے مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہت سخی اور دریا دل بھی تھے۔ غریبوں، مسکینوں اور بیواؤں پر خوب دل کھول کر خرچ کرتے۔ کوئی سوالی ان کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں لوٹتا تھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام بہت شاکر بھی تھے۔ وہ ان نعمتوں پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو امتحان میں ڈالتا اور ان کے ایمان کو آزماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو بھی آزمائش میں ڈالا۔ ان کی اولاد جن مکانوں میں رہتی تھی وہ گر پڑے اور تمام اولاد مکانوں کے ملبے تلے آ کر دب گئی۔ لٹیروں کے ایک بڑے گروہ نے ان پر دھاوا کیا۔ وہ ان کے تمام مویشی ہانک کر لے گئے۔ زرعی اراضی کو آگ نے خاکستر کر ڈالا۔ خود ایوب علیہ السلام کو کوڑھ کی بیماری لاحق ہوگئی۔ پھوڑے خراب ہو گئے اور صورت حال سخت پریشان کن ہوگئی۔ ایسی حالت میں بھلا کون ساتھ رہتا ہے۔ تمام دوست احباب، چھوڑ چھاڑ کر چلتے بنے۔

سوائے ایک بیوی الیا کے اور کوئی ڈھارس بندھانے کو باقی نہ رہا۔ دو ایک پرانے دوست البتہ کبھی کبھار دیکھنے آجاتے۔

الیا بڑی اچھی خاتون تھی۔ وہ ایوب علیہ السلام کے اچھے دنوں کی ساتھی تھی۔

اس نے کہا: آسودہ حالی میں ان کے ساتھ رہی ہوں۔ اب ان پر کڑا وقت آیا ہے تو بھی ساتھ نبھاؤں گی۔ بستی کے لوگوں نے ایوب علیہ السلام کو بستی سے نکال دیا۔

الیا انہیں بستی کے باہر ایک خیمے میں لے آئی۔ وہ ان کے نیچے راکھ بچھاتی اور انہیں ہر طرح سے آرام پہنچانے کی کوشش کرتی۔ رہائش کا مسئلہ تو کسی نہ کسی طرح حل ہو گیا لیکن کھانے پینے کا بندوبست کیسے ہوتا۔ سیدنا ایوب علیہ السلام تو کام کاج کے قابل نہیں رہے تھے۔ بستی کے لوگ قریب نہیں پھٹکتے تھے، مدد کیا کرتے۔

الیا نے ہی کمر ہمت باندھی اور لوگوں کے گھر میں کام کاج کرنے لگی۔ وہ لوگوں کے لیے روٹیاں پکاتی، ان کے برتن مانجھتی۔ دن ڈھلے جو روکھی سوکھی ملتی وہ لا کر سیدنا ایوب علم کو پیش کر دیتی۔

☆......☆......☆

غرض آزمائش کے اٹھارہ برس اس نے سیدنا ایوب علیہ السلام کی بڑی خدمت کی اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائی۔

☆......☆......☆

خود سیدنا ایوب علیہ السلام کا صبر و شکر بھی دیدنی تھا۔ زبان مبارک ہمیشہ ذکر الٰہی سے تر رہتی۔

اٹھارہ برس کہنے کو تو اٹھارہ برس ہیں لیکن جب جھیلنے پڑیں تو یہ بہت لمبی مدت بن جاتی ہے۔ آدمی بیمار ہو، بستر پر پڑا ہو تو چند گھڑیاں بھی کاٹے نہیں کٹتیں۔

☆......☆......☆

ایک مرتبہ الیا کہہ بیٹھی:

''میرے سرتاج! رب تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ وہ تکلیفیں دور کر دے۔''

قدرے ناراض ہوئے۔ بولے:

''آسودہ حالی میں ستر برس گزارے۔ اب ستر برس اسی حالت میں گزاروں تو حساب برابر ہو۔''

الیا یہ جواب پا کر بے حد پریشان ہوئی تاہم چپ ہو رہی۔

☆......☆......☆

ایک روز وہی دونوں دوست جو کبھی کبھار بھولے سے آیا کرتے تھے، ملنے کو آئے۔ باتوں باتوں میں ایک نے دوسرے سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے، ایوب علیہ السلام نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے جو اتنی کڑی سزا پا رہے ہیں۔

سیدنا ایوب علیہ السلام نے اٹھارہ برس نہایت صبر و شکر سے گزارے تھے۔ ہر طرح کی جلی کٹی سنی تھی۔ یہ بات ایسی سخت تھی کہ برداشت نہیں کر پائے۔ بے قرار ہو گئے۔

رب تعالیٰ کو پکارا، قرآن مجید نے ان کی دعا کا اس طرح ذکر کیا ہے:

''اور ایوب (علیہ السلام) کی اس حالت کو یاد کرو، جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔''

(الأنبياء)

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی:

’’ہم نے ان کی سن لی اور جو دکھ انہیں تھا اسے دور کر دیا اور انہیں اہل و عیال عطا فرمائے اور ان کے ساتھ ویسے ہی اور بھی، اپنی خاص مہربانی کے ساتھ، تاکہ بچے بندوں کے لیے باعث نصیحت ہو۔‘‘ (الأنبیاء)

☆......☆......☆

ہوا یوں کہ ایوب علیہ السلام جب حاجت کو جایا کرتے تو اہلیہ کام کاج سے واپس آ کر انہیں ساتھ لے کر ان کے ٹھکانے پر آجاتیں۔

اب کے ایوب علیہ السلام حاجت کے لیے گئے تو اہلیہ کو آنے میں ذرا دیر ہوگئی۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام پر وحی نازل کر دی کہ زمین پر پاؤں مارو۔ انہوں نے پاؤں مارا تو ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

’’یہ پانی پیو اور نہاؤ!‘‘

انہوں نے پیا اور نہائے تو بھلے چنگے ہو گئے جیسے کوئی بیماری تھی ہی نہیں۔

اس طرح ایوب علیہ السلام پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئے، بدن چمکنے لگا، فرشتوں کے ذریعے پوشاک پہنائی گئی۔ سونے کی ٹڈیوں کی بارش ہوئی۔ پھر وہ ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ اہلیہ آئیں۔ پہچان نہ پائیں۔ انہی سے پوچھنے لگیں:

’’اے اللہ کے بندے! یہاں میرا شوہر ایوب تھا۔ وہی بیمار سا تم نے تو نہیں دیکھا؟‘‘

سیدنا ایوب علیہ السلام نے مسکرا کر کہا:

’’اللہ کی بندی! میں ہی ایوب ہوں‘‘

وہ حیران ہو کر بولیں:

’’مجھ دکھی عورت سے مذاق نہ کرو!‘‘

بولے: ’’بھلا میں کیوں مذاق کرنے لگا۔ اری بھلی مانس! میں ایوب ہی ہوں۔ آزمائش ختم ہوئی۔ اللہ نے مجھے بھلا چنگا کر دیا ہے۔‘‘

تب اہلیہ الیا نے بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کیا۔

☆......☆......☆

ادھر دو بادلوں نے سیدنا ایوب علیہ السلام کے دونوں کھلیانوں پر سونا اور چاندی برسایا۔ مال، متاع، اولاد، اراضی، مال مویشی، نوکر چاکر، سب کچھ واپس مل گیا۔ وہ بھی دگنا ہو کر۔ اس کے بعد سیدنا ایوب علیہ السلام مزید ستر برس زندہ رہے اور دین ابراہیمی کی تبلیغ کرتے رہے اور صبر ایوب علیہ السلام رہتی دنیا تک ضرب المثل بن گیا۔

☆......☆......☆





کمال واقعی کمال

میمونہ عظیم

''اس کی حالت سے تو یہی لگتا ہے کہ یہ پاگل ہے'' سرمد نے کمال کو حقارت کی نگاہ سے دیکھ کر کہا، جس کے کندھے پر مشکیزہ لٹک رہا تھا اور کپڑے پانی چھلکنے کے باعث گیلے معلوم ہو رہے تھے۔

کمال تپتی گرمی میں عوام کو پانی پلانے کے لیے بازار میں چکر کاٹتا رہتا تھا، یہ اس کا ایامِ گرما میں معمول تھا۔

پانی پلانے والے کو غلام کے آزاد کرنے کے مثل ثواب ملتا ہے، اسی سوچ نے اسے آمادہ کیا۔ مگر افسوس! لوگوں کی نگاہیں امورِ خیر کو چھوڑ کر شکل و ہیئت پر گامزن ہو جاتی ہیں، جس کی اللہ کے ہاں کوئی وقعت نہیں۔

''ہاں یار! پھر وہ اس کے ہم شکل کوئی اور بندہ ہوگا، اندھیرا چھایا تھا، ٹھیک سے دیکھ نہیں پایا مگر پروردگار کی شان! کس قدر تو مشابہ چہرہ تھا'' نعیم نے از راہِ تعجب اپنی غلط فہمی کا ازالہ کیا۔

''فرشتہ صفت انسان تھا کوئی، خدا اس کو نعم البدل عطا فرمائے۔'' سرمد نے نعیم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''وہ وجیہہ اور نیک بندہ تھا، یار! مجھے حیرت ہے کہ نفسا نفسی کے اس عالم میں بھی رات کے بارہ بجے بغیر شناخت کروائے پچاس ہزار ایسے پکڑا دیے گویا کہ وہ کئی دن سے تاک میں ہو اور میرے احوال سے واقف ہو۔ مجھے تو کوئی قرض دینے کو بھی تیار نہیں تھا مگر وہ تو احسان کر گیا۔''

''ہاں یار! ٹھیک کہتے ہو، ویسے تمہاری مدد کرنے در حقیقت خضر پہنچا تھا'' سرمد نے تائید کرتے ہوئے وضاحت دی۔

''اسی کے باعث میری مسز بچ گئی، میں اس دن کس قدر تو پریشان تھا۔ جو بھی بہر حال میں اس کا مقروض ہوں۔'' نعیم نے امڈتی آنکھوں کو انگلیوں کے پوروں سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

کمال نے گزرتے ہوئے ان کی بات ان سنی کر دی، ان کی نظر پڑتے ہی وہ پانی کے مشکیزے کی جانب ہاتھ بڑھانے ہی والا تھا کہ دونوں نے ہاتھ کے اشارے سے استغنائی کا اظہار کیا تو وہ

مسکراتا ہوا اپنی راہ کی جانب چل دیا۔

کچھ اللہ کے نیک بندے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو عند اللہ بڑے نامور اور ماجور ہوتے ہیں مگر لوگوں کی حقیر اور محدود نظر اس چیز کو بھانپنے سے قاصر ہو جاتی ہے۔

پھر بسا اوقات ظاہری حالت کا مشاہدہ کر کے ایسے لوگوں کو کمتر جانا جاتا ہے لیکن یاد رہے! وہ عند اللہ اس قدر معزز ہوتے ہیں کہ کلمات ابھی زبان پر لاتے ہی نہیں، بس ہاتھ اٹھاتے ہیں اور خدائے ذوالجلال ان کی لاج رکھتے ہوئے دعا قبول فرماتے ہیں اور ان کو غیبی خزانوں سے نوازتے ہیں، جن میں بڑا خزانہ غناءِ قلبی ہوتا ہے۔ یقیناً ایسے لوگ نام و نمود، شہرت کے پجاری نہیں ہوتے اور نہ تنگدستی اور فقر و فاقہ کے باعث لوگوں کے سامنے دست دراز ہوتے ہیں کیوں کہ دنیا ان کے ماتحت ہو جاتی ہے اور وہ اس کو مچھر کے پر کے برابر سمجھتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو اگر خالق جہان مال و فراوانی سے نوازے بھی تو وہ خلق خدا کو مقدم رکھتے ہیں اور ان کی ضروریات پوری کرنے کی تگ و دو میں اس قدر محو ہو جاتے ہیں کہ ان کی اپنی ذات ان کی نگاہ میں نسیا منسیا ہو جاتی ہے۔

یقیناً ''کمال'' بھی انہی سفید پوش حاجت مند لوگوں میں سے تھا مگر اللہ نے صحت جیسی نعمت عطا فرمائی تھی، اکثر وہ ہسپتال کے باہر چکر کاٹتا رہتا تھا، ان کے احوال معلوم کر کے حتی الامکان (ہاتھ کی محنت و مزدوری سے) مدد کرنے کی کوشش کرتا مگر وہ نہیں چاہتا تھا کوئی اس ذو وجاہت کا نظارہ کر کے محسن سمجھے اور بدلہ دینے کی کوشش کرے یا احساسِ کمتری کا شکار ہو، یہی وجہ تھی جو اسے چھپ کر مدد کرنے پر اکساتی تھی۔

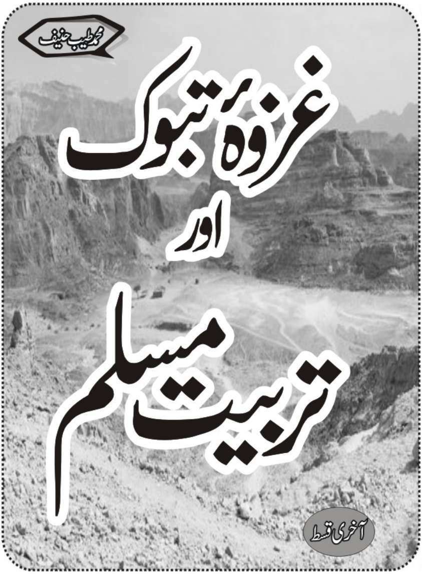
یعنی کمال واقعی ہی کمال کا بندہ تھا، جو اپنے لیے نہیں، لوگوں کے لیے جیتا تھا اور اس کی زندگی کا مقصد دن بھر لوگوں کے کام آنا اور رات کو باری تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کرنا تھا مگر ہاں وہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل تھا البتہ لوگ اس کے مجنونانہ حالت کے باوجود بھی شفاف دل اور حسنِ اخلاق کے گلی کوچوں میں گن گاتے تھے۔

☆......☆......☆

کسی کو بھی ظاہری حالت کے باعث حقیر نہ جانیں، ہوسکتا ہے وہ اللہ کی نگاہ میں آپ سے بڑھ کر معزز ہو۔ مانا کہ ہم ظاہر کے مکلف ہیں، مگر کسی کے حالات، وضع قطع اور شکل و ہیئت کو دیکھ کر تبصرے کرنے کا حق حاصل نہیں اور افسوس کے ساتھ اس گندی عادت میں پڑ کر اپنے نیک اعمال گنوا دیتے ہیں اور رب کے غضب کو مول لینے کا نقصان اٹھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری اور ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

☆......☆......☆



غزوۂ تبوک اور تربیت مسلم

محمد طیب حنیف

آخری قسط

(گزشتہ سے پیوستہ)

13: مخلص دوست کبھی پیٹھ نہیں پھیرتا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی سواری لاغر وکمزوری کی بنا پر لشکر سے کوسوں دور رہ گئی، جس کو دیکھ کر آپؓ نے اپنا سامان کمر پر لاد کر پاپیادہ لشکر کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا، دوسری جانب حضرات صحابہؓ نے آپ کی عدم موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''چھوڑ دو، اگر اس میں خیر ہوگی تو اللہ اسے تم سے ملا دیں گے، ورنہ وہ شامل نہ ہو سکے گا۔''

ابھی یہ جملہ مکمل ہی ہوا تھا کہ اچانک دور سے ایک پاپیادہ کمر پر سامان لادے شخص کو آتا دیکھا گیا، جس پر بے ساختہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہوا ''کُن أباذر'' (شرح الزرقاني علی المواهب اللدنیہ: ۴/ ۸۳) (اے اللہ! یہ ابوذر کا آنا مقدر فرما دے)

اللہ کی شان وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہی تھے، جنہوں نے اپنی رفاقتِ کاملہ کا عملی ثبوت پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تنہا اس حال میں آتا دیکھ کر فرمایا: ''رحم اللہ أباذر، یمشي وحدہٗ، یموت وحدہٗ، ویبعث وحدہٗ''

(اللہ رحم فرمائے ابوذر پر، تن تنہا سفر کرتا ہے، سب سے دور علیحدہ موت کی آغوش میں سلایا جائے گا، اور آخر میں اکیلا قبر سے اُٹھایا جائے گا)

چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر مقامِ ربذہ کو اہلیہ وخادم سمیت اپنا مسکن ووطن بنایا اور عراق سے واپسی پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس مقام سے گزر ہوا، آپ کی نعش کو اس طرح تنہا دیکھ کر نمازِ جنازہ پڑھائی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے۔ (الکامل: ۲/ ۱۴۹)

14: بحیثیت صلح پسند حاکم کا کردار

مقامِ تبوک پر دورانِ قیام مختلف قبائل کے زعماءِ یہود نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر جزیہ قبول کرنے کی درخواست پیش کی، جن میں ایلہ

مقام کے سربراہ یوحنّا بن روبہ کا نام سرِفہرست ملتا ہے، آپ نے ان تمام کی درخواست کو صلح وامن پسندی کے قیام کی خاطر قبول کیا۔ نیز حضرت خالد بن ولیدؓ کو دومۃ الجندل کے حاکم اُکیدر نصرانی کی گرفتاری کا حکم دیا، اور پیش گوئی فرمائی کہ وہ جانور کا شکار کرتے ہوئے شکار ہوگا، چنانچہ یوں ہی ہوا، حضرت خالد بن ولیدؓ اس کی تلاش میں روانہ ہوئے، تو دوسری طرف اُکیدر فلک بوس محل کی چھت پر اہلیہ سمیت شہر کے اطراف و اکناف کا نظارہ کرنے میں مصروف تھا کہ اچانک اس کی نگاہ نیل گائے پر پڑی، شکار کی محبت وفریفتگی کا یہ عالم تھا کہ خود پر قابو نہ پاسکا، اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ گرفتار ہوا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے جانے کے بعد ادائیگیِ جزیہ پر مصالحت سمیت لوٹا۔ (سیرتِ ابن ہشام)

15: دنیا کی رذالت وعدمِ ثباتی

جب اُکیدر نصرانی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو بعض صحابہؓ نے اس کے قباء کی حسن رعنائی وملائمت کو دیکھا تو از راہِ تعجب اس کو چھونے لگے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کرکے پوری اُمت کے رُخ کو درست کیا، اور فرمایا:

تم اس پر حیرت وفریفتگی میں مبتلا ہو، بخدا جنت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا جانے والا رومال اس سے بھی کئی گنا زیادہ خوبصورت وملائم ہے۔ (صحیح مسلم، رقم: ۲۴۶۹)

درحقیقت یہی فرق ہوتا ہے ایک نبی اور عام لیڈر کے مابین، عین اس وقت جب کہ معرکہ کارزار گرم ہو، تیروں کا مینہ برس رہا ہو، ہاتھ پاؤں اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہوں جس طرح موسمِ خزاں میں پتے جھڑتے ہیں، دشمن کی فوجیں سیلاب کی طرح بڑھی آرہی ہوں، عین اس وقت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی تربیت کا کوئی معمولی پہلو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

16: ایک غم خوار امیرِ کارواں کا کردار

سفرِ تبوک میں ایک مخلص صحابی حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا بخار کی شدت کے باعث انتقال ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس ان کے تکفین وتدفین کے مراحل میں شریک رہے، حتیٰ کہ اپنے دستِ اقدس سے ان کو سپرد خاک کرکے ایک غم خوار امیر کے کردار سے روشناس کیا، اور اِن کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا:

”اللّٰهم إني أمسيت راضياً عنه فارض عنه۔“ (رحمۃٌ للعالمین، ص: ۱۱۸)

17: تفرقہ بازی وفسادات

”تبوک“ روانگی سے قبل منافقین نے مسلمانوں کے مابین باہمی پھوٹ ڈالنے اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی غرض سے ایک مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا، جس کو ضرورت ومصلحت کے دلفریب جلی عنوان کے ساتھ سرکاری حیثیت دینے کی غرض سے حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف آوری کی درخواست پیش کی گئی، نبی

کریم ﷺ نے سفرِ تبوک سے واپسی پر حاضری کا وعدہ کیا، مگر اللہ رب العزت نے منافقین کے عزائم اور اس نام نہاد مسجد کی قلعی کھول کر حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔ (تفسیر قرطبی)

چنانچہ اس سلسلہ میں ان آیات کا نزول ہوا:

ترجمہ: ''اور جنہوں نے (ان اغراض کے لیے) مسجد بنائی کہ (اسلام کو) ضرر پہنچائیں اور (اس میں بیٹھ کر) کفر کی باتیں کریں، اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں، اور اس شخص کے قیام کا سامان کر دیں جس اس کے قبل سے خدا ورسول کا مخالف ہے، اور قسمیں کھا جاویں گے کہ بجز بھلائی کے ہماری اور کچھ نیت نہیں، اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ اس میں کبھی (نماز کے لیے) کھڑے نہ ہوں۔''

18: اعترافِ جرم صفاءِ قلب ہے

اس سفر میں صرف دس افراد بغیر کسی شک وارتیاب وعذرِ شرعی پابہ رکاب نہ ہو سکے، جن میں کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کے نام نمایاں تھے، البتہ حق وصداقت سے معمور دل نے ان حضرات کو منافقین کی طرح حیل وحجت پیش کر کے عذر خواہی کی جسارت سے باز رکھا، چنانچہ ندامت وپشیمانی کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا، مگر تکوینی نظام ومصلحت کے تحت ان حضرات سے مقاطعتِ کلامی کا حکم دیا گیا، چنانچہ تقریباً ۵۰ دن مقاطعت کے بعد ان تینوں حضرات کی قبولیتِ توبہ سے متعلق ان آیات کا نزول ہوا:

''وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔'' (التوبہ: ۱۱۸)

ترجمہ: ''اور ان شخصوں پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں، بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے (اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے اور) پھر ان کے حال پر خصوصی توجہ فرمائی، تاکہ وہ آئندہ بھی رجوع کیا کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں۔''

19: اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت

اس سماجی بائیکاٹ کے باعث نہایت رنج والم کی کیفیت کا سماں تھا، زمین باوجود اپنی وسعت تنگ محسوس ہو رہی تھی، اقارب اور دوست احباب سب بیگانے نظر آنے لگے تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا نہایت قریبی دوست اور چچیرا بھائی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی مجھے جواب نہ دیتا تھا، خود نبی پاک ﷺ کا یہ عالم تھا کہ آپ محبت بھری نگاہوں سے گوشۂ چشم سے میری شکستہ حالت کو

مشاہدہ فرماتے، مگر ان کی جانب نگاہ اُٹھتے ہی معرضانہ رویہ دل چیر دیتا تھا۔(صحیح بخاری)

یہ سب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے سرنگوں ہونے کا نتیجہ تھا۔

20: دنیاوی حشم وخدم کی پیشکش کو ٹھکرانا

رئیس غسان کو جب اس تمام واقعہ ومقاطعتِ کلامی کی اطلاع پہنچی، اس نے شام کا ایک قاصد حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور اس نے دنیاوی آسائش و آرائش کے دلفریب تخیلاتی مناظر کو بصورتِ خط پیش کیا، اس خط کا مندرجہ یہ تھا:

”ہم نے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے تمہاری قدر نہ کی، اس لیے تم میرے پاس چلے آؤ، میں تمہاری شان کے موافق تم سے برتاؤ کروں گا۔“

حضرت کعب رضی اللہ عنہ معتوبِ نبوی ہونے کے باجود شدید برہم ہوئے اور خط کو تنور میں جھونک دیا۔

21: مسلمانوں کے مابین محبت وتعلق

اللہ کی طرف سے اجابتِ توبہ کی نوید سنائے جانے پر تمام مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، جس کی بشارت سلع نامی پہاڑ سے ایک بلند آواز شخص نے سنائی۔ روایت میں آتا ہے کہ وہ بلند آواز شخصیت حضرت صدیق اکبرؓ تھے۔ اس خوش کُن خبر کو سنتے ہی حضرت کعبؓ دوڑتے ہوئے مسجد نبوی حاضرِ خدمت ہوئے، صحابہ کرامؓ جوق در جوق مبارکباد دینے لگے، اور خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔

اس سلسلہ کی ایک یادگار گھڑی کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت کعبؓ فرماتے ہیں:

”مہاجرین میں سے سب سے پہلے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا، مجھ سے مصافحہ کر کے گلے لگایا، میں ان کے اس احسان کو کبھی نہیں بھلا سکتا۔“(بخاری)

22: درست گوئی باعثِ نجات ہے

حضرت کعب رضی اللہ عنہ توبہ کی قبولیت پر فرماتے ہیں:

”اللہ رب العزت نے اسلام کی دولت سے سرفرازی کے بعد دوسری عظیم دولت صداقت گوئی کی اہمیت کو دل میں پیوستہ کیا، جس کی بدولت مجھے اس ابتلاء سے خلاصی نصیب ہوئی۔“

چنانچہ پھر عزم کیا کہ آئندہ کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا اور اس عہد کو تادمِ حیات بخوبی نبھایا۔

نیز حدیث شریف میں آتا ہے:

”سچی بات نیکی ہے، اور جنت کی جانب رہنما ہے، جبکہ جھوٹ گناہ ہے، اور گناہ جہنم کی جانب مفضی ہے۔“

ان تمام تربیتی پہلوؤں میں پوری اُمت کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، جن کو مشعل راہ بناتے ہوئے ایک پُرسکون و پائیدار بھائی چارگی کے جذبات پر قائم معاشرہ میں ایک دوسرے کے حقوق کو بآسانی پورا کیا جاسکتا ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں ان باتوں کو سمجھنے و عملی زندگی میں زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆......☆......☆

پوشیدہ تیری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں



حمیرا رشید

وہ میری کمسنی کا زمانہ تھا۔ بابا کو میں نے ہمیشہ بے چین دیکھا، غم کے مارے ان کا چہرہ زرد ہو چکا تھا، میں سکول سے واپس لوٹتا تو انہیں "کتاب مقدس" اور ہسپانوی زبان کا سبق سناتا پھر وہ اپنے خصوصی کمرے میں چلے جاتے۔ یہ کمرہ گھر کے ایک کونے میں بنا ہوا تھا اور اس میں مجھ سمیت کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ اس کمرے کے اندر چند لمحے گزار کر جب نکلتے تو ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہوتیں جیسے وہ بہت دیر تک روتے رہے ہوں۔

وہ وہاں کیا کرتے تھے وہ میری طرف انتہائی بے بسی اور لاچاری سے دیکھتے۔ جب میں ان کی طرف متوجہ ہوتا تو وہ اپنا رخ دوسری طرف کر لیتے اور کچھ نہ کہتے۔

صبح صبح جب مما مجھے سکول کے دروازے تک چھوڑنے جاتیں تو ان کا سُتا ہوا چہرہ آنسوؤں سے بھر جاتا۔ وہ بار بار میرا بوسہ لیتی، جیسے یہ آخری ملاقات ہو۔ پورا دن ان کے چہرے پر آنسوؤں کی حرارت محسوس کرتا رہتا، مجھے ان کے رونے پر حیرت ہوتی لیکن یہ تمام باتیں میں سمجھ نہ پاتا۔ میرے ماں باپ مجھ سے دور رہتے۔ وہ دونوں کسی اجنبی زبان میں باتیں کرتے تھے۔ وہ ہسپانوی زبان ہرگز نہیں تھی۔ جب میں ان کے نزدیک جاتا وہ فوراً ہسپانوی زبان بولنے لگتے۔ میں دیکھ کر حیران ہوتا اور کڑھتا رہتا۔ بارہا مجھے یہ خیال آتا جیسے میں ان کا بیٹا نہیں ہوں بلکہ لے پالک ہوں۔ میرا غم شدید تھا۔ گھر کے کسی کونے میں جا کر ان دونوں سے چھپ کر میں خوب روتا۔ اس ماحول کی وجہ سے میرا بچپنا ختم ہو چکا تھا۔ روتے روتے عبادت کا وقت ہو جاتا تو آپی مجھے لے کر گرجا گھر چلی جاتی۔

☆......☆......☆

ایک دن آدھی رات بابا میرے کمرے میں آئے اور مجھے اپنے پیچھے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ اپنے ممنوعہ کمرے کی طرف جا رہے تھے۔ مارے خوف کے میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور میرے پاؤں من من بھر کے ہوگئے۔

کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی بابا نے دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا۔ چراغ کی روشنی میں، میں نے نگاہیں دوڑائی وہاں کوئی ڈراؤنی چیز نہیں تھی۔ بس ایک دری بچھی تھی، ایک الماری پر ایک کتاب رکھی ہوئی تھی اور ایک تلوار دیوار سے لٹکی ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھے دری پر بٹھایا اور اپنی غمزدہ نظریں مجھ پر گاڑ دیں۔ مجھے یکا یک پرسکون سا محسوس ہوا۔ اس خالی کمرے میں ان کے سامنے بیٹھ کر ایسا محسوس ہوا جیسے میں کوئی دوسری دنیا میں آگیا ہوں۔ بابا نے میرا ننھا سا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیا اور دبی آواز میں کہنے لگے۔

”بیٹا! اب تم دس سال کے ہو چکے ہو۔ اب تم بڑے ہو گئے ہو، آج تمھیں میں اس راز کے بارے میں بتاؤں گا۔ جو میں تم سے چھپاتا رہا ہوں۔ کیا تم اس راز کو اپنے سینے میں محفوظ رکھ سکو گے؟ اگر تم نے راز چھپا لیا تو سب کے لیے خیر ہے۔ ورنہ تمھاری ایک معمولی سی غلطی تمھارے والد کو کلیسا کے تفتیشی مرکز کے حوالے کر دے گی۔“

تفتیشی مرکز کا سن کر میں سر سے پاؤں تک لرز کر رہ گیا۔ اگرچہ میں چھوٹا تھا لیکن تفتیشی مرکز کو اچھی طرح جانتا تھا۔ سکول سے آتے جاتے تفتیشی مرکز کے شکاروں کو دیکھتا تھا جہاں روزانہ کچھ لوگوں کو سولی پر لٹکایا جا رہا ہوتا تھا اور کچھ لوگوں کو زندہ جلایا جا رہا ہوتا تھا۔ بابا کی بات سن کر میں خاموش رہا۔

”کیوں!!! تم چپ کیوں ہو؟؟؟ کیا تم اس راز کو چھپا سکتے ہو....؟؟؟؟“

”جی ہاں.....“

”اپنی مما اور قریبی دوستوں سے بھی؟؟؟“

”جی ہاں.....“

”قریب آؤ اور کان کھول لو، یہاں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ کہیں میری مخبری نہ ہو جائے اور میں زندہ نہ جلا دیا جاؤں۔“

میں بابا کے اور قریب آگیا۔

”جی بابا! میں سن رہا ہوں۔“

انہوں نے الماری پر رکھی ہوئی کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”بیٹا!!! کیا تم اس کتاب کو جانتے ہو؟؟ پہنچانتے ہو؟؟؟.....“

”جی بابا! یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب انجیل ہے۔ کتابِ مقدس جو یسوع مسیح پر نازل ہوئی ہے۔“ میں نے کہا۔

یہ سنتے ہی وہ ایک لمحے کے لیے لرز گئے، پھر تڑپ کر کہنے لگے۔

''نہیں نہیں !! یہ انجیل نہیں، یہ تو قرآن مجید ہے مقدس کتاب۔ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ وہ ایک ہے تنہا و یکتا ہے، بے نیاز ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ اس کا کوئی ہمسر و برابر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب انسان کامل، انبیا علیہم السلام کے سردار ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ پراتاری ہے۔''

میری آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئیں۔ مجھے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ بابا جذبات کی رو میں بہتے رہے۔

''یہ اسلام کی کتاب ہے، اسلام وہ دین ہے جو ساری انسانیت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ یہ دین ان شہروں، دیہاتوں، دریاؤں اور سمندروں کے پار بہت دور ایک صحرا میں ظاہر ہوا۔مکہ میں.... وہاں کی قوم دیہاتی، جاہل مشرک اور آپس میں جھگڑنے والی تھی۔

اس دین نے انہیں توحید کا درس دیا۔ اس دین کی بدولت انہوں نے مشرق و مغرب کو فتح کرلیا۔ یہاں تک کہ وہ اس جزیرے تک پہنچ گئے۔جس اسپین کہا جاتا ہے۔

یہاں کا بادشاہ ظالم اور سرکش تھا اور یہاں کی حکومت عوام کا خون چوستی تھی۔ وہ علم وتہذیب سے بہت دور تھے۔ مسلمان آئے انہوں نے یہاں کے بادشاہ کو قتل کر کے یہاں کے لوگوں کو ظلم وستم سے نجات دلائی اور پھر وہ اسپین پر حکومت کرنے لگے۔ انہوں نے انصاف عام کیا۔لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کی۔علم و ہنر سے اس قوم کو مالا مال کر دیا۔

آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے یہاں حکومت کی۔ آٹھ سو سال۔ اس دور میں اسپین دنیا کے سب سے ترقی یافتہ اور خوشحال ملکوں میں شمار ہوتا تھا۔

''مم.... مگر.. بابا ہم کون ہیں؟؟؟''

''بیٹا!!! ہم عرب مسلمان ہیں''

میں خوف، دہشت اور تعجب کے مارے اپنے اوپر قابو نہ پاسکا اور چیخ پڑا۔

''ک... کک کیا؟؟

ہم؟... عرب مسلمان ہیں؟؟؟''

''جی بیٹا!! یہی وہ راز ہے جو میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں ہم ہی ان شہروں کے مالک ہیں۔ یہ مینار ہم نے بنائے ہیں، جن پر اذان کی آواز گونجتی تھی۔اب وہاں گھنٹا بجایا جاتا ہے۔

یہ مسجدیں ہم نے بنائی ہیں۔جن میں مسلمان صفیں باندھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور ان مسجدوں کے محرابوں میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سنایا جاتا تھا۔

اب یہ گرجاؤں میں بدل گئیں۔ ان میں پادری بائبل پڑھتے ہیں....

ہاں بیٹا!!! ہم عرب مسلمان ہیں۔ اسپین کے ہر علاقے میں ہماری نشانی موجود ہے۔ یہاں ہر جگہ ہمارے شہداء مدفون ہیں۔ ہم نے ہی شہر آباد

کیے۔ ہم نے ہی یہ پل کھڑے کیے۔ ہم نے ہی یہ بہترین باغ اور درخت لگائے۔

آج سے چالیس سال پہلے.... تم سن رہے ہونا؟؟؟...''

میں نے اثبات میں سر ہلایا، جی بابا!

''آج سے چالیس سال پہلے اسپین کے آخری مسلمان حاکم نے عیسائیوں کے دھوکے میں آ کر غرناطہ کی چابیاں عیسائیوں کے حوالے کر دیں اور یہاں سے مراکش فرار ہو گیا۔ وہاں وہ بزدلی کی موت مرا اور اپنے انجام کو پہنچا۔

ان عیسائیوں نے ہمارے ساتھ آزادی، انصاف اور خود مختاری برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن بہت جلد ہی یہ اپنے وعدوں سے پھر گئے.... انہوں نے تفتیشی مراکز قائم کیے اور ہمیں زبردستی عیسائی بنایا۔

ہمیں اپنی عربی زبان چھوڑنے کے لیے مارا پیٹا گیا۔ ہمارے بچوں کو ہم سے چھین کر انہیں عیسائی بنا دیا گیا۔ اسی وجہ سے ہم چھپ کر عبادت کرتے ہیں۔ ہم اپنے دین کی توہین اور اپنے بچوں کے کفر پر کڑھتے رہتے ہیں۔

بیٹا!!! یہ راز ہے اسے چھپانا تمھاری ذمہ داری ہے۔ اب تمھارے بابا کی جان تمھاری زبان میں ہے۔ خدا کی قسم!!! میں موت سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی اپنے رب کی ملاقات سے گھبراتا ہوں۔ لیکن میں زندہ رہنا چاہتا ہوں تاکہ تمہیں تمھاری زبان، دین اور ثقافت سے آگاہ کروں اور تمھیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی دکھانا میری ذمہ داری ہے....

اب جاؤ بیٹا! جا کر سو جاؤ....!''

بابا کی باتیں سننے کے بعد میں کئی دن سے سکون سے سو نہ سکا۔

اس دن کے بعد میں جب بھی ''قصر الحمراء'' کی سرخ عمارت کو دیکھتا تو مجھے جھرجھری سی آجاتی۔ غم و حسرت سے میرا دل بھر آتا۔ میں اکثر گھنٹوں گھنٹوں گم صُم رہتا اور اچانک جب خیالات کی دنیا سے باہر آتا تو دیکھتا کہ میں ''قصر الحمراء'' کے اردگرد گھوم رہا ہوں اور اسے مخاطب کر کے ملامت کر رہا ہوں۔

''اے الحمراء.... اے روٹھے ہوئے الحمراء... کیا تم اپنے معماروں کو بھلا بیٹھے ہو؟؟؟ جنہوں نے اپنی جانیں تم پر لٹا دی.... اور تمہارت سبزہ زاروں کو خون اور آنسوؤں سے سینچا۔

کیا تم ان لوگوں کو نہیں پہنچانتے؟؟ جن کا سکہ پوری دنیا میں چلتا تھا۔ کیا تم بجائے اذان کے گھنٹے کو، اور بجائے علماء کے پادریوں کو پسند کرنے لگے ہو؟؟؟''

پھر مجھے خوف محسوس ہوتا کہ کوئی جاسوس میری آواز نہ سن لے، میں جلدی گھر لوٹ آتا۔ جہاں اب میں بابا جان کے پڑھائے ہوئے عربی اسباق یاد کرتا۔ ایک طرف ہسپانوی حروف لکھ کر دوسری

طرف عربی حروف لکھ دیا کرتے تھے۔اور کہتے۔

''یہ ہمارے حروف ہیں۔''

پھر وہ اس کا لکھنا پڑھنا مجھے سکھاتے۔وہ مجھے دینی تعلیم دیتے۔ وضو اور نماز کا طریقہ سکھاتے۔میں ان کے پیچھے کھڑے ہو کر اس خفیہ کمرے میں نماز پڑھتا۔بابا ہر وقت خوفزدہ رہتے، میں بچہ ہوں کہیں راز فاش نہ کر دوں۔اس لیے کبھی کبھار مجھے ماما کے ذریعے مجھے آزماتے۔

مما مجھ سے پوچھتی۔

''تمہارے بابا تمہیں کیا سکھاتے ہیں؟؟؟''

میں کہتا، کچھ بھی نہیں....

''مجھے معلوم ہے۔چھپانے کی کوشش مت کرو.....!''

''بالکل نہیں، وہ مجھے کوئی چیز نہیں سکھاتے...''

اسی طرح شب و روز گزرتے گئے اور میں نے عربی زبان پر عبور حاصل کرلیا۔قرآن پاک کو سمجھنے لگا اور دین کے بنیادی عقائد اور مسائل کا مجھے علم ہوگیا۔

انہوں نے ایک دن اپنے ایک مسلمان بھائی کو مجھ سے ملایا اور کہا۔

''انہیں اپنا چچا سمجھو....!'' اس کے بعد ہم تینوں عبادت کے لیے رات کی تاریکیوں میں اس کمرے میں جمع ہو جاتے۔

☆......☆......☆

''تفتیشی مرکز'' کے مظالم روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔وہ عربوں کو اس ملک سے ختم کر دینا چاہتے تھے۔کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا، جس میں ہم بیس تیس ایسے مسلمانوں کو نہ دیکھتے جنھیں سولی پر نہ لٹکایا گیا ہو، یا زندہ نہ جلا دیا گیا ہو۔

سینکڑوں لوگوں کے بارے میں سننے میں آتا ہے کہ انہیں سخت تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ان کے ناخن کھینچ لیے جاتے ہیں۔ان کی آنکھوں پر گرم سلائی پھیر دی جاتی ہے اور انہیں اتنا پانی پلایا جاتا ہے کہ ان کی سانس اٹک جاتی ہے۔انہیں اتنا مارا جاتا ہے ان کے بدن کے ٹکڑے کھٹ پھٹ کر ہوا میں اڑنے لگتے ہیں۔

☆......☆......☆

یہ سلسلہ کافی دراز ہوگیا تو ایک روز بابا جان نے مجھے بلایا اور کہا۔

''بیٹا! مجھے لگتا ہے میرا وقت آن پہنچا ہے، میری تمنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے۔بس یہی کامیابی کی آخری منزل ہے، اب جب کہ میں تمھیں کفر کی تاریکیوں سے نکال چکا ہوں اور امانت تمھارے حوالے کر چکا ہوں، اب سوائے شہادت کے کوئی تمنا میرے دل میں باقی نہیں رہی۔

تم مسلمانوں کی اگلی نسل ہو۔اب مستقبل کی امید تم ہی ہو۔اگر یہاں نہ رہ سکے۔تو دوسرے اسلامی ملکوں میں چلے جانا۔عالم اسلام کو بیدار کرنا۔

مجھے یقین ہے ایک نہ ایک دن تم جیسے نوجوان الحمراء پر اسلام کے پرچم لہرانے ایک بار پھر یہاں آئیں گے.. دیکھو! اگر مجھے کچھ ہو جائے تو اپنے اس چچا کی بات ماننا۔ اور کسی بات میں ان کی نافرمانی مت کرنا...''

پھر ہم کافی دیر ایک دوسرے سے لپٹ کر روتے رہے۔

☆......☆......☆

اس واقعے کو کئی دن گزر گئے تھے کہ سردیوں کی ایک کالی رات میں میرے چچا مجھے پکارنے لگے۔ انہوں نے مجھے جلدی چلنے کا حکم دیتے ہوئے کہا۔

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھاگنے کا موقع دیا ہے، چلو جلدی کرو، ہم مراکش کی جانب ہجرت کر جائیں گے۔ وہ مسلمانوں کا ایک ملک ہے....''

''میرے ماما بابا کہاں ہیں؟؟...''

میں چیخ اٹھا۔

تو چچا جان نے میرا ہاتھ سختی سے پکڑ کر مجھے اپنی جانب کھینچتے ہوئے کہا۔

''کیا تمھارے بابا نے تمھیں میرے بات ماننے کا حکم نہیں دیا تھا۔''

میں ان کے ساتھ بادل نخواستہ چل پڑا۔ جب ہم اپنے شہر سے دور نکل آئے۔ تو ہر طرف تاریکی کا راج تھا انہوں نے مجھ سے کہا:

''بیٹا!!! صبر کرو، اللہ تعالیٰ نے تمھارے مما بابا کو شہادت کے مرتبے پر فائز کر دیا ہے۔

عیسائیوں نے انہیں قتل کر دیا ہے۔''

میں ان سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگا۔ آگے کا تمام راستہ میرا آہوں اور سسکیوں بھرا گزرا۔ پھر ہم مراکش بحفاظت پہنچ گئے۔

☆......☆......☆

ہم نے تمام مسلمان بہن بھائیوں، اپنے والدین کا عیسائیوں سے بدلہ لینے کی تیاری شروع کر دی۔ مگر افسوس!!! وہاں کے سب مظالم اور اذیت بھری داستان سننے کے بعد بھی امت مسلمہ بیدار نہیں ہوئی۔ اسپین کی مساجد کے مینار آج تک مسلمانوں کی بیداری کا انتظار کر رہے ہیں۔

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے
مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تیری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تیری بادِ سحر میں

☆......☆......☆



قرآن مجید یادرکھنے کا نبوی نسخہ

چادرپوش



قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی لاریب کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔

اللہ تعالی نے انسانیت پر فضل و احسان فرماتے ہوئے آپ ﷺ کی برکت سے ایک روشن چراغ عطا فرمادیا تاکہ انسان اس کے ذریعے اپنے قلوب کی تاریکیاں دور کرتے ہوئے جنت کی راہ پالیں۔

مزید اللہ تعالیٰ نے احسان فرماتے ہوئے اس چراغ کی روشنی کی حفاظت بھی اپنی ذمہ لے لی۔ جس کی ایک صورت یہ بنادی کہ اس عظیم کتاب کو چھوٹے چھوٹے بچوں کے دلوں میں اتار کر اسے محفوظ کردیا۔

اگرچہ قرآن مجید کو حفظ کرنا آسان ہے لیکن اسے مستقل یاد رکھنا ایک مشکل کام ہے۔ ہمارے استاذ محترم اس کی ایک دلچسپ مثال دیتے ہوئے فرماتے تھے:

”سمندری ریت کو اگر مٹھی میں مضبوطی سے پکڑ کر رکھو تو کہیں نہیں جاتی لیکن جیسے ہی گرفت ہلکی سی بھی کمزور ہوئی یہ انگلیوں کے درمیان موجود خلا سے نکلنے لگتی ہے۔ اسی طرح حفظ قرآن پر گرفت اگر ہلکی سی بھی کمزور ہوئی تو یہ بھولنے میں دیر نہیں لگتی“

اس بات کی تائید نبی کریم ﷺ کے ان حادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

تعاهدوا هذا القران فو الذي نفس

محمد بیدہ لھو اشد تفصّیا من الابل في عقلھا۔

ترجمہ: قرآن کا پڑھتے رہنا لازم پکڑو۔اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ اونٹ کے اپنی رسی تڑوا کر بھاگ جانے سے زیادہ تیزی سے بھاگتا ہے۔(صحیح بخاری)

بخاری شریف کی دوسری میں حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

انما مثل صاحب القران کمثل صاحب الابل المعلقة۔ ان عاھد علیھا امسکھا،وان طلقھا ذھبت۔

ترجمہ: حافظ قرآن کی مثال رسی سے بندھے ہوئے اونٹ کے مالک کی سی ہے۔اگر وہ اس کی نگرانی کرتا رہا تو اسے روک لے گا اور اگر اس کو چھوڑ دیا تو وہ بھاگ جائے گا۔(صحیح بخاری)

اسی طرح قرآن مجید کو بھول جانے کے متعلق حدیث مبارکہ میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ ابو داؤد شریف میں حدیث موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ما من امرئٍ یقرأ القران ثم ینساہ الاّ لقي اللہ عز و جل یوم القیامۃ اجزم۔(ابو داوٗد)

ترجمہ: جو شخص قرآن پڑھ کر(یاد کر کے) بھلا دے۔وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ ہاتھ کٹا ہوا (کوڑھی ہونے کی) حالت میں ہوگا۔

لیکن جہاں احادیث مبارکہ میں قرآن کے جلد بھول جانے اور اس کے بھولا دینے پر سخت وعید وارد ہوئی ہے تو وہاں محسن اعظم ﷺ نے اپنی امت کے لیے اسے مستقل یاد رکھنے کا نسخہ او رظیفہ بیان فرمایا ہے، اور اس کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔چنانچہ امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معروف اور طویل حدیث نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا۔میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ قرآن تو میرے سینے سے نکلتا جا رہا ہے، میں اسے محفوظ نہیں رکھ پا رہا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ابوالحسن! کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھا دوں کہ جن کے ذریعہ اللہ تمہیں بھی فائدہ دے اور انہیں بھی فائدہ پہنچے جنہیں تم یہ کلمات سکھاوٗ؟ اور جو تم سیکھو وہ تمہارے سینے میں محفوظ رہے“

عرض کیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ مجھے ضرور سکھائیے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”جب جمعہ کی رات ہو اور رات کے آخری تہائی حصے میں تم کھڑے ہو سکتے ہو تو اٹھ کر اس وقت عبادت کرو کیونکہ رات کے تیسرے پہر کا وقت ایسا ہے کہ جس میں فرشتے بھی موجود ہوتے ہیں، اور دعا اس وقت مقبول ہوتی ہے۔میرے بھائی یعقوب

علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں سے کہا تھا:

"سوف أستغفر لکم ربي"

آپ ﷺ فرما رہے تھے، آنے والی جمعہ کی رات میں اگر نہ اٹھ سکو تو درمیان پہر میں اٹھ جاؤ، اور اگر درمیانی پہر میں نہ اٹھ سکو تو پہلے پہر ہی میں اٹھ جاؤ اور چار رکعت نماز پڑھو۔

پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ یٰسین پڑھو، دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور حم دخان، تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور الم تنزیل السجدہ، چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور تبارک (سورۃ الملک) پڑھو۔

پھر جب تشہد سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی حمد اور اچھے انداز میں ثناء بیان کرو اور مجھ پر صلاۃ (درود) بھیجو، اور اچھے انداز سے بھیجو، اور سارے نبیوں پر صلاۃ (درود) بھیجو، مومن مردوں و مومنہ عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرو، اور ان مومن بھائیوں کے لیے بھی مغفرت کی دعا کرو، جو تم سے پہلے اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ پھر یہ سب کر چکنے کے بعد یہ دعا پڑھو:

اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي بِتَرْكِ الْمَعَاصِي أَبَدًا مَا أَبْقَيْتَنِي، وَارْحَمْنِي أَنْ أَتَكَلَّفَ مَا لَا يَعْنِينِي، وَارْزُقْنِي حُسْنَ النَّظَرِ فِي مَا يُرْضِيكَ عَنِّي، اللّٰهُمَّ بَدِيعَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِي لَا تُرَامُ، أَسْأَلُكَ يَا اللّٰهُ يَا رَحْمَنُ بِجَلَالِكَ وَنُورِ وَجْهِكَ، أَنْ تُلْزِمَ قَلْبِي حِفْظَ كِتَابِكَ كَمَا عَلَّمْتَنِي، وَارْزُقْنِي أَنْ أَتْلُوهُ عَلَى النَّحْوِ الَّذِي يُرْضِيكَ عَنِّي، اللّٰهُمَّ بَدِيعَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِي لَا تُرَامُ أَسْأَلُكَ يَا اللّٰهُ يَا رَحْمَنُ بِجَلَالِكَ وَنُورِ وَجْهِكَ، أَنْ تُنَوِّرَ بِكِتَابِكَ بَصَرِي، وَأَنْ تُطْلِقَ بِهِ لِسَانِي، وَأَنْ تُفَرِّجَ بِهِ عَنْ قَلْبِي وَأَنْ تَشْرَحَ بِهِ صَدْرِي وَأَنْ تَغْسِلَ بِهِ بَدَنِي، فَإِنَّهُ لَا يُعِينُنِي عَلَى الْحَقِّ غَيْرُكَ وَلَا يُؤْتِيهِ إِلَّا أَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

اے ابوالحسن! ایسا ہی کرو، تین، پانچ یا سات جمعہ تک، اللہ کے حکم سے دعا قبول کر لی جائے گی، اور قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس کو پڑھ کر کوئی مومن کبھی محروم نہ رہے گا۔

☆......☆......☆

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

”خدا کی قسم! علی رضی اللہ عنہ پانچ یا سات جمعہ ٹھہرے ہوں گے کہ وہ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ایسی ہی مجلس میں حاضر ہوئے اور آ کر عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! میں اس سے پہلے چار آیتیں یا ان جیسی (ایک دو آیات کم وبیش) یاد کر پاتا تھا، اور جب انہیں اپنے آپ میں دہراتا تھا

تو وہ بھول جاتی تھیں۔

اور آج میں چالیس آیات سیکھتا ہوں یا اس جیسی (چالیس سے دو چار کم وبیش) پھر جب میں انہیں اپنے آپ میں دہراتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ کتاب اللہ میری آنکھوں کے سامنے کھلی ہوئی ہے (اور میں روانی سے پڑھتا چلا جاتا ہوں)

(اور ایسے ہی میں اس سے پہلے) حدیث سنا کرتا تھا، پھر جب میں اسے دہراتا تو وہ دماغ سے نکل جاتی تھی، لیکن آج جب میں احادیث سنتا ہوں پھر جب میں انہیں بیان کرتا ہوں تو ان میں سے ایک حرف بھی کم نہیں کرتا۔

☆......☆......☆

محترم قارئین کرام!

آپ نے غور کیا؟ محسن اعظم ﷺ کی سکھائی ہوئی دعا میں سر فہرست اللہ تعالیٰ سے کس چیز کا سوال کیا گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللهم ارحمني بترك المعاصي۔

اے اللہ مجھ پر رحم فرما کہ میں گناہوں کو ترک کر دوں۔ گناہ میرے لیے مشکل کر دے کہ میں اسے نہ کر سکوں۔ نیکیوں و بھلائی میرے لیے سہل و آسان فرما دے۔

اسی حدیث کی روشنی میں امام شافعیؒ کے شیخ حضرت وکیع بن الجراحؒ نے امام شافعیؒ کو نصیحت فرمائی۔

جسے امام شافعیؒ نے "دیوان الشافعی" اور امام بیہقیؒ نے "مناقب الشافعی" میں نقل کیا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

شکوت الی وکیع سوء الحفظ

فارشدني الی ترک المعاصي

واخبرني بان العلم نور

ونور الله لا یهدی للعاصي

ترجمہ:

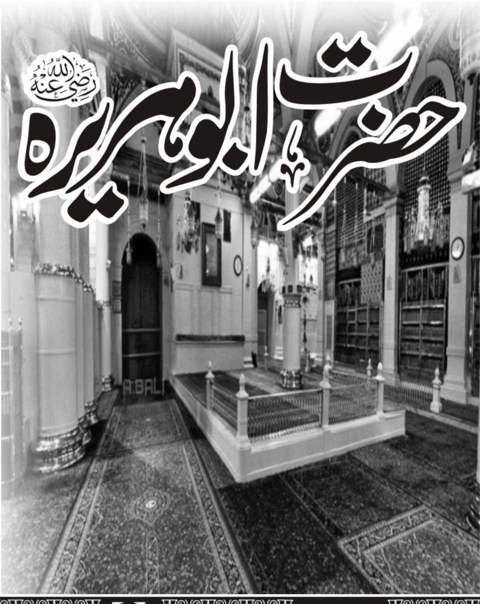
میں نے حضرت وکیعؒ سے کمزور حافظہ کی شکایت کی۔ تو آپؒ نے مجھے ترک معاصی کی نصیحت فرمائی اور مجھے بتایا کہ علم نور خداوندی ہے اور نور خداوندی عاصی کو نہیں دیا جاتا۔

(دیوانِ شافعی اردو،ص 168)

نبی کریم ﷺ کی بتلائی ہوئی دعا اور ان مذکورہ اشعار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید ہو یا اسے سمجھنے کے لیے جملہ علوم فنون، یہ سب نور خداوندی ہیں، اور اس نور کو اپنے قلب میں سمونے اور اتارنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی متضاد چیز یعنی تاریکی وظلمات سے قلب بالکل صاف ہو۔ اس لیے کہ گناہ تاریکی و اندھیرا ہے اور دل میں اندھیرا ہی پیدا کرتا ہے۔ تو دونوں متضاد چیزیں ایک مقام میں کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہمیں تمام کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆



حافظ الحدیث سیدنا حضرت عبدالرحمن بن صخر (حضرت ابو ہریرہ) رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مشہور اور جلیل القدر صحابی ہیں اور آپ ان چند گنے چنے اصحاب میں سے ہیں جن کے نام سے اسلام کی شہرت و عظمت اور پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا پیغام عام کرہ ارضی میں اپنی اپنی پوری یاد داشت سے روشن ہوا۔

بنت حسان

نام نامی۔اسم گرامی

دور جاہلیت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام راجح قول کے مطابق عبدالشمس تھا۔مگر جب آپ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے تو آپ کا اسم گرامی (مشہور قول کے مطابق) عبدالرحمن رکھا گیا۔آپ کہتے ہیں کہ میرا یہ نام حضور ﷺ نے رکھا۔

فسماني رسول الله صلى الله عليه وسلم عبد الرحمن۔(المستدرک)

آپ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے اور یہ قبیلہ یمن کو اپنا وطن بنائے ہوئے تھا۔اسی لئے محدثین کے ہاں آپ کو الدوسی الیمانی بھی لکھا جاتا ہے علامہ ابن سعد نے آپ کا نام عمیر بتایا ہے آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

ابو ہریرہ .... عمیر بن عامر بن عبد ذی الشری بن طریف بن غیاث بن ہنیہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس۔

اسلام سے پہلے کا حال

حضرت ابو ہریرہؓ کے بچپن کے حالات تاریخ میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ یہ حضور ﷺ کی نگاہ کا فیض تھا جس نے آپ کو تاریخ کے روشن ترین لوگوں میں سے کر دیا۔آپ بچپن میں ہی اپنے والد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے تھے۔آپ زیادہ تر اپنے وطن میں بکریاں چراتے رہے اور جب ذرا بڑے ہوئے تو ایک نوکری مل گئی تھی جس سے گذر بسر کرتے تھے۔

آپ اسلام لانے سے پہلے کا اپنا حال اس طرح سناتے ہیں۔

”میں یتیمی کی حالت میں پروان چڑھا اور جوان ہوا۔ اور مسکینی کی حالت میں ہجرت کی اور غزوان کی بیٹی کی نوکری کیا کرتا تھا اس تنخواہ پر کہ اسکے گھر سے پیٹ بھر کر روٹی کھانے کو مل جائے اور جب وہ سوار ہو کر جائیں تو ان کے پیچھے چل کر ان کے اونٹوں کو چلانے کیلئے حدی پڑھتا رہوں اور جب وہ کسی جگہ پڑاؤ کریں تو ان کے کھانا پکانے کیلئے لکڑیاں چن چن کر لایا کروں۔“

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے انتہائی غربت کے ساتھ اپنا بچپن کاٹا اور اسی غربت کی وجہ سے آپ نے اپنا وطن (یمن) چھوڑا تھا افسوس کہ بعض لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہاں تک نشانہ طعن بنایا کہ وہ مجہول لوگوں میں سے ہیں اور وہ ان کی روایت حدیث کو مشکوک بنانے کے لئے خود ان کو مشکوک بنانے لگے۔ محمود ابر یہ مصری آپ کے بارے میں لکھتا ہے۔

”جس طرح حضرت ابو ہریرہ کے نام میں لوگوں کا اختلاف ہے اسی طرح وہ لوگ ان کے بچپن اور قبل از تاریخ اسلام زندگی سے بھی آگاہ نہیں ہیں۔“

عرب کے معروف عالم ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رحمہ اللہ نے ان کے اس بیان پر نقد کرتے ہوئے جو لکھا ہم ان کی عبارت ہدیہ ناظرین کئے دیتے ہیں۔

ترجمہ: ہم نہیں سمجھتے کہ ایک شخص جو اپنے آپ کو قابل عزت سمجھتا ہے اور علم و معرفت کا دعویدار ہے اتنی گھٹیا سطح تک اتر سکتا ہے کہ وہ ایک مشہور صحابی پر جرح کرے جو اپنے معاصرین میں کوئی چھپی شخصیت نہ تھا اور اگلی نسلیں بھی اس سے خوب واقف تھیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے اور یہ قبیلہ عربی قبائل میں معروف و مشہور تھا اور اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا پھر صحابہ کرام میں خاصی اکثریت ان حضرات کی ہے جن کے پہلے دور کے حالات بالکل معلوم نہیں ہیں اور اس میں شک نہیں کہ دور جاہلیت میں عرب محدود پیرائے میں زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے علاقہ میں محصور اور باہر کی دنیا سے یکسر کٹے رہے تھے۔

بیرونی دنیا کو بھی عربوں کے حالات سے کوئی دلچسپی نہ تھی سوائے اسکے کہ تجارتی قافلے عرب کی سر زمین سے گزرتے تھے جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور سرزمین عرب رسالت و نبوت کی شعاعوں سے جگمگا اٹھی تو عربوں کے حالات تاریخ کے اوراق میں قلم بند کئے جانے لگے۔ راوی ان کے حالات کی تلاش میں رہنے لگے اور طالبان علم ان سے علم کی باتیں روایت کرنے لگے۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس ضمن میں دوسرے صحابہ سے مختلف تھے؟

نیز یہ کہ دور جاہلیت کے حالات معلوم نہ

ہونے سے دور اسلام میں ان کی قدر و منزلت کم ہو جائے گی؟

آخر ابو رویہ نے قرآن کی کس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جس آدمی کی تاریخ قبل اسلام معلوم نہ ہو اسے حقیر و ذلیل انسان تصور کرنا چاہیے نیز یہ کہ اس کی روایت کردہ احادیث کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ (سنت کا تشریعی مقام)

حضرت ابو ہریرہ کا حلیہ مبارک

سیدنا حضرت ابو ہریرہ کا رنگ گندمی (سرخ سفید) تھا اور آپ کے کندھے کشادہ تھے آپ کے اگلے دو دانتوں کے درمیان خلا تھا اور آپ کے سر کے بال دو میڈھیوں کی شکل میں ہوتے تھے اور یہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر دونوں کندھوں پر پڑی رہتی تھیں جنہیں آپ سرخ رنگ کا خضاب لگاتے تھے۔ آپ کی طبیعت میں مزاح کا عنصر بھی پایا جاتا تھا۔ (تذکرہ الحفاظ ج ا ص ۴۸)

آپ کا لباس زمانہ عسرت میں بہت ہی معمولی قسم کا ہوتا تھا اور خوشحالی کے دور میں بھی آپ کا لباس سادہ مگر نفیس ہوتا تھا کبھی کبھی آپ کتان کے قیمتی کپڑے پہنتے تو انہیں بھی ہرگز خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان سے ناک بھی صاف کر لیا کرتے۔ آپ سر پر عمامہ بھی باندھتے تھے۔ خباب بن عروہ نے آپ کو سیاہ رنگ کا عمامہ باندھے بھی دیکھا ہے۔

☆......☆......☆

حضرت ابو ہریرہ کے والدین

سیدنا حضرت ابو ہریرہ کے والد ماجد کے نام کے بارے میں بہت سے اقوال پائے جاتے ہیں امام حاکم کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کے والد کے بارے میں جو نام زیادہ معروف اور قابل اعتبار نظر آیا وہ صخر ہے۔ حافظ ابو نعیم نے بھی عبد الرحمن بن صخر لکھا ہے (حلیۃ ص ۳۶۱) صاحب طبقات آپ کے والد کا نام عامر لکھتے ہیں۔

آپ کے والد نے عالم شباب میں وفات پائی آپ اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام امیمہ بنت صفیح بن الحارث یا میمونہ تھا لیکن آپ عام طور سے اپنی کنیت ام ابی ہریرہ سے مشہور تھیں۔ آپ کی والدہ نے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے لائق بیٹے کی بڑی مشکل حالات میں پرورش کی تھی۔

آپ کے ماموں حضرت سعد بن صفیح بنی دوس کے معروف اور پوری قوم میں معزز شخص تھے۔ آپ بھی قبول اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے تھے۔

جب حضرت ابو ہریرہ دربار رسالت میں بیعت اسلام کیلئے آ رہے تھے تو اس وقت آپ کی والدہ ماجدہ بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھی۔ گو آپ کی والدہ نے اس وقت اسلام قبول نہ کیا تاہم حضرت ابو ہریرہ نے ماں کی خدمت گذاری اور اطاعت شعاری میں کوئی کوتاہی نہ کی۔

ہاں آپ اپنی والدہ کے کفروشرک کی بناء پر بہت افسردہ رہتے اور دل ہی دل میں کڑھتے رہتے تھے۔آپ کی دلی تمنا تھی کہ آپ کی والدہ بھی اسلام کی دولت حاصل کر لے تا آنکہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی اوراس دعا کو کچھ دیر نہ گذری تھی کہ آپ کی والدہ بھی قبول اسلام کے شرف سے مشرف ہوگئیں اور ان خواتین میں شامل ہوگئیں جن کی قسمت و عزت پر خدا کے فرشتوں کو بھی ناز رہا ہے اور جن کے جنتی ہونے کی گواہی قرآن کریم نے دی ہے۔

حضرت ابوہریرہ کے قبول اسلام کا زمانہ

حضرت ابو ہریرہ کا صلح حدیبیہ اور غزوہ خیبر کے درمیانی زمانہ (۷ ہجری) میں اسلام لانا معروف ہے۔اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۳۰ سال کی تھی۔تاہم تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اس سے بہت پہلے (یعنی ہجرت نبوی سے بھی پہلے) اسلام قبول کر چکے تھے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت طفیل بن عمرو دوس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:

طفیل بن عمرو ہجرت نبوی سے پہلے جب مکہ آئے تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیا اور اسلام لے لائے پھر واپس آکر انہوں نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی ان کے اپنے والد اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی نے ان کی دعوت قبول نہ کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بعثت نبوی کے ابتدائی دور میں ہی شرف اسلام سے مشرف ہو چکے تھے۔

فدعا ابويه الى الاسلام فاسلم ولم تسلم امه ودعا قومه فاجابه ابوهريرة وحده (الاصابہ ج ۲ ص ۲۲۶)

ڈاکٹر مصطفی السباعی و مشقی اپنی مایہ ناز تالیف (السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي (مطبوعہ ۱۹۶۰ء) میں منکر حدیث محمود ابوریہ مصری کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ سن ۷ میں جس سال خیبر فتح ہوا تھا مشرف باسلام ہوئے خلاف ازیں اب ہم بتانا چاہتے ہیں کہ آپ اس سے بہت پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے مگر ہجرت مدینہ کا شرف انہیں بتاخیر سن ۷ میں حاصل ہوا اور اس کی دو دلیلیں ہیں۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں طفیل بن عمرو دوسی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ ہجرت سے پہلے اسلام لائے پھر واپس آکر اپنی قوم کو دعوت دی مگر ان کے والد اور ابو ہریرہ کے سوا کسی اور نے اسے قبول نہ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے گو سن ۷ ہجری میں ہجرت کی مگر اس سے بہت پہلے آپ اسلام لا چکے تھے۔

اس کی دوسری دلیل صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جس میں ابو ہریرہ اور ابان بن

سعید کی باہمی تکرار کا ذکر ہے واقعہ یہ پیش آیا کہ خیبر کی فتح کے بعد ابان نے حضور ﷺ سے مال غنیمت کی تقسیم کا مطالبہ کیا یہ سن کر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ اسے حصہ نہ دیجئے کیونکہ اس نے نعمان بن مالک کو قتل کیا تھا جو ابن قوقل کے نام سے معروف تھے ابن قوقل کے قتل کا واقعہ غزوہ احد میں پیش آیا تھا اس وقت ابان مسلمان نہ تھے اور اس نے ابن قوقل کو قتل کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۹۰)

یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب سن سات ہجری میں مدینہ منورہ آئے تو آپ اس وقت جدید الاسلام نہ تھے یعنی اس سے بہت پہلے دولت اسلام سے مالا مال ہو چکے تھے۔

دربار رسالت ﷺ میں حاضری کا شرف

جب حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی تو حضرت ابو ہریرہ آپ کی ملاقات اور زیارت کے شوق میں نکل پڑے جب مدینہ منورہ آئے تو پتہ چلا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ خیبر گئے ہوئے ہیں بجائے اس کے کہ آپ کی واپسی کا انتظار کیا جائے آپ (اور دیگر دوسی مہاجرین) خیبر کی جانب چل پڑے اور خیبر میں ہی حضور کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا اور وہیں آپ کے دست اقدس پر بیعت اسلام کرلی۔ تابعی جلیل حضرت سعید بن مسیب (۹۳ھ) کہتے ہیں:

ان ابا هريرة قال شهدنا خيبر (صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۰۴) اور آپ کو مال غنیمت میں سے بھی کچھ مال ملا تھا آپ فرماتے ہیں:

فتحنا خيبر فلم نغم ذهبا ولا فضة انما غنم البقر والابل والمتاع والحرائط۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۰۸)

قطع نظر اس سے کہ آپ کو یہ مال بطور انعام و عطیہ ملا ہو (کیونکہ یہ مال حدیبیہ (یعنی ۲ ہجری میں بیعت رضوان کرنے والوں کیلئے مخصوص تھا) یا بطور غنیمت ملا ہو اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ آپ غزوہ خیبر کے وقت خدمت نبوی میں حاضر ہو چکے تھے۔

جب حضرت ابو ہریرہ نے آنحضرت ﷺ سے بیعت اسلام کرلی پھر اس دن سے آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت اقدس سے ایسے وابستہ ہو گئے کہ پھر کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔

اور آپ کی برکات وانوارات اور ملفوظات و ارشادات کو سننا اور محفوظ کرنا ہی آپ کی زندگی کا مقصد وحید رہا اور اس میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ آپ ہمہ تن اسی دھن میں لگ گئے اور اسلامی تعلیمات کا وہ عظیم ذخیرہ جو آپ نے لیا اور اپنے آقا کی زندگی کا ہر وہ گوشہ جو آپ نے دیکھا اسے محفوظ کیا تاکہ قیامت تک آنے والا حضور کا امتی آپ کی سیرت مقدسہ اور آپ کی تعلیمات وافادات سے بھرپور استفادہ کرسکے اور اپنے آقا کی مبارک زندگی کا ہر پہلو اس کے سامنے واضح

اور روشن رہے۔

فجزاه الله عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔ آمین

قبول اسلام کے بعد کا حال

حضرت ابو ہریرہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد کس طرح کی دولت کمائی اور اپنی زندگی کس شان سے گذاری اسے دیکھئے آپ خود بھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ:

اللہ کا شکر ہے کہ میں نے دین اسلام کو دونوں جہاں کی عزت کا سرمایہ اور دونوں جہاں کی کامیابی کا ذریعہ بنایا اور اسکی ابدی زندگی کو خوشگوار بنانے کا وسیلہ بنایا۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے:

الحمد لله الذي هدى أبا هريرة للاسلام الحمد لله الذي علم أبا هريرة القرآن الحمد لله الذى من على أبى هريرة بمحمد صلى الله عليه وسلم الحمد الله الذي أطعمنى الخبز والبسنى الحرير الحمدلله الذي زوجني بنت غزوان بعدما كنت أجير الها بطعام بطني۔

(حلیۃ ج ا ص ۳۶۹)

ترجمہ:

تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہے جس نے ابو ہریرہ کو اسلام کی دولت سے مالامال کیا اور ابو ہریرہ کو قرآن کا علم عطا کیا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا کر اس پر احسان عظیم فرمایا۔ ابو ہریرہ کو اچھا سے اچھا کھلایا اچھا پہنایا اور شکر خدا کا کہ اس نے اس غزوان کی بیٹی سے میری شادی کرائی جس کے ہاں میں پیٹ بھرنے کیلئے نوکری کیا کرتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

الحمدلله الذي جعل الدين قواما وجعل أباهريرة اماما۔

(حلیۃالاولیاء ص ۳۶۵)

ترجمہ:

سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہے جس نے دین اسلام کو مضبوط بنایا اور ابو ہریرہ کو امام اور پیشوا بنایا۔

نوٹ: یہاں امام سے مراد دینی رہنما ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کسی دینی رہنما کی رہنمائی میں دین حاصل کرنا اور دین کو سمجھنا کوئی عیب کی بات نہیں اور نہ ہی کسی دینی رہنما کو امام کہنا غلط ہے جو لوگ انتہائی رعونت کے ساتھ کہتے ہیں کہ دین میں یہ امام کہاں سے آگئے انہیں اس سے اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کو امام کہنا جائز نہ ہوتا تو حضرت ابو ہریرہ خود اپنی ذات کو کبھی امام نہ کہتے اور اس پر خدا کی حمد وثنا نہ کرتے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

☆......☆......☆



وہ بوڑھے ہو چکے تھے۔ان کی ساری زندگی جہاد فی سبیل اللہ میں گزری تھی۔ساری زندگی تکالیف وتنگی میں گزاری تھی۔اب فتوحات کا دور تھا۔ایک دن رونے لگے اور کہنے لگے:

”ہم نے اللہ کی رضا کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی اور ہمارا اجر اللہ کے ذمہ رہا، پھر ہم میں سے بعض تو دنیا سے رخصت ہو گئے اور انھوں نے اپنے اجر کا کچھ بھی پھل نہ کھایا، لیکن بعض کا پھل پک گیا اور وہ اس کو توڑ کر کھا رہے ہیں۔

مصعب بن عمیر نے احد میں شہادت پائی تو انھیں کفن دینے کے لیے ایک چھوٹی سی چادر کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں تھا۔آج یہ حال ہے کہ اللہ کا فضل ہم پر بارش کی طرح برس رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے، اللہ نے کہیں ہماری تکالیف کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں تو نہیں دے دیا۔“

یعنی اس ڈر سے رو رہے تھے کہ کہیں ہماری قربانیوں کا اجر ہمیں دنیا میں نہ مل گیا ہو۔یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون تھے؟ آئیے ان کے بارے میں کچھ اور پڑھتے ہیں۔

ان کا تعلق قبیلہ بنو تمیم سے ہے۔چھٹے نمبر پر اسلام لائے۔اسی لیے انہیں سادس الاسلام بھی کہا جاتا ہے۔انہوں نے اسلام قبول کیا اور پھر اس کا اعلان بھی کر دیا۔اس کی پاداش میں انہیں بے تحاشا ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا۔انہوں نے صبر و استقامت سے یہ مظالم برداشت کیے۔

آپ رضی اللہ عنہ مکے میں لوہے کا کام کرتے تھے اور تلواریں بنایا کرتے تھے۔انہوں نے کچھ تلواریں بنا کر ایک کافر عاص بن وائل کو فروخت کر دیں۔جب اس کافر سے رقم کا مطالبہ کیا تو وہ کہنے لگا:”میں تمہیں رقم اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انکار نہیں کرو گے۔“

صحابیِ رسول نے کہا:”تم مر جاؤ اور پھر زندہ کیے جاؤ تو پھر بھی میں محمدِ عربی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔“

آپ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے فکر مند رہتے تھے اور کئی مقامات پر پہرے دار بن کر ساتھ رہتے تھے۔اپنے بارے میں بتاتے ہیں:

ایک مرتبہ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مجھے کسی لشکر کے ساتھ بھیجا تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ مجھے دور بھیج رہے ہیں حالانکہ میں (آپ کی حفاظت کی غرض سے) آپ کی طرف سے فکرمند رہتا ہوں۔“

ارشاد فرمایا:(میرے بارے میں) کتنا فکر مند رہتے ہو؟ عرض کی، صبح کرتا ہوں تو گمان نہیں ہوتا کہ آپ شام کر پائیں گے،شام کرتا ہوں تو گمان نہیں ہوتا کہ آپ صبح کر پائیں گے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی جہاد سے منسلک رہے۔

انہوں نے 73 برس کی عمر پائی۔آخر میں شدید بیمار ہو گئے تھے۔سن 37 ہجری میں ان کا انتقال ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ ادا کرائی۔

شمارہ ربیع الثانی کا درست جواب:
حضرت ابو رہم رضی اللہ عنہ۔

وہ کون تھے؟؟

شمارہ ماہ ربیع الثانی 1446ھ کی انعام یافتہ

ام حبیب

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

بنت نسیم۔محمد احمد۔زبیر۔عبدالرحمٰن۔بنت امامہ۔ام احمد۔عمیر۔زبیر عمر۔
حبیب الرحمٰن۔ہمشیرہ محمد ارحم۔محمد مشتاق۔محمد انیس۔محمد صدیق۔بنت نعمان۔

آپ کی پسند

میرے آقا مدنی ﷺ

رحمتوں کے سائباں ہیں میرے مدنی آقا ﷺ
فدا ہو اُن پر دل و جاں میرے مدنی آقا ﷺ
تعریف کرتا ہو جس کی رب تعالیٰ
تعریف میں جس کے قرآن میرے مدنی آقا ﷺ
اب کوئی باقی نہ رہا بے کس و بے سہارا
مل گیا گنبد خضریٰ کا آشیاں میرے مدنی آقا ﷺ
دکھ درد سمیٹے سب کے، پیام محبت سب کو دیا
گناہوں سے تھے جو بے نشاں میرے مدنی آقا ﷺ
ہوگیا اُن کا جس نے دیکھا آقا مدنی کو
ہزاروں جانیں ہوگئی جن پر قرباں میرے مدنی آقا ﷺ
عزت و عظمت ہو کہ مال و دولت ہو
ہراک شے کے تھے پاسباں میرے مدنی آقا ﷺ
بدر واحد دیتے ہیں گواہی جن کی
وہ ہے بہادر شاہ میداں میرے مدنی آقا ﷺ
رحمتوں کے سائبان، فدا اُن پہ دل و جاں
میرے مدنی آقا ﷺ

(انتخاب: خلیل الرحمن صدیقی، فیصل آباد)

امید ہے مجھے

جانتی ہوں کہ کم یاب ہیں آج کل
لیکن پھر بھی مجھے امید ہے ہر پل
نکلے گا امت کے ہر گھر سے اک مجاہد شہزادہ
کہ جو کر دے گا ہر اک دکھ کا مداوا
بچائے گا مسلم بہنوں کی عصمت
پورا کرے گا اپنا ہر اک وعدہ
دلائے گا سب کو ان کے حقوق
ہو گا یہ اس کا پکا ارادہ
دکھائے گا سب کو بہادری کے جوہر
کیوں کہ ہو گا یہ اس کی تربیت کا خاصہ
چھین لے گا واپس مقبوضہ کشمیر
لے لے گا واپس ارضِ فلسطین
کر دے گا ہر طرف فضا پرُ حسین
ملے گی ہر طرف سے داد و تحسین
مل جائے گی امت کو ظلم سے نجات
دکھا ئے گا جب وہ تلوار حق کا کمال
ہو جائے گی ہر طرف فضا پرُ بہار
لگ جائیں گے ہر طرف مال وزر کے انبار
مٹ جائیں گے دنیا سے ظلمت کے نشاں

بن جائیں گے شیطان نما حیواں بھی انسان
مل جائے گی بنات حوا کو عزت کی چادر
بن جائے گی امت محمدی پری پیکر
وہ وقت دور نہیں جب ہو گا ایسا سماں
کہ ہو گی ہر طرف سے اسلام کی عظمت عیاں

(از قلم: میمونہ ایمان)

میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تڑپ

محبوب اپنی امت کے دن رات روئے
ساتھ ان کے اصحاب نہ سکھ چین سوئے
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ہے کرم کر الٰہی
محشر میں امت کو نہ ہو یہ رسوائی
رو رو کے سجدوں میں آنسو پروئے
محبوب اپنی امت کے دن رات روئے
ساتھ ان کے اصحاب نہ سکھ چین سوئے
پیغام اپنے رب کا لوگوں کو سنایا
جسم اپنا پتھروں سے زخمی کرایا
نازک اس گھڑی پے نہ پریشان ہوئے
محبوب اپنی امت کے دن رات روئے
ساتھ ان کے اصحاب نہ سکھ چین سوئے
بلال ابن حبشی پے ستم انتہاء تھی
سزا تھی جزا تھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا تھی
سبھی کچھ لٹا کر انگاروں پے سوئے
محبوب اپنی امت کے دن رات روئے
ساتھ ان کے اصحاب نہ سکھ چین سوئے

(انتخاب: قندیل حیا، شادن لنڈ)

اے میرے دین کے پاسبانو اٹھو!

اس نظام بدی سے بغاوت کریں
وقت کا یہ تقاضا ہے کہ شمشیر لیں
جہد پیہم کے خوگر بنیں اس طرح
خاک وخون کے جہاں سے محبت کریں
ظالموں کو تباہی کا پیغام دیں
بے کسوں سے سلوک مروت کریں
دست باطل کے پھولوں کو ٹھکرائیں پھر
جادۂ حق کے کانٹوں سے الفت کریں
اے میرے دین کے پاسبانو اٹھو!
اس نظام بدی سے بغاوت کریں
عدل وانصاف کچھ اس طرح سے مٹا
کانپ اٹھی ارض حق ظلم و عدوان سے
بھائی بھائی میں پیدا ہوئی دشمنی
اب لرزتا ہے انسان انسان سے
پھر شریعت کی خاطر گزر جائیں ہم
دولت و مال سے جسم سے جان سے
جس سہولت پسندی نے مارا ہمیں
موت سے پیار کرنے کی خاطر بڑھیں
آؤ کھیلیں تفنگ اور شمشیر سے
اے میرے دین کے پاسبانو اٹھو!
اس نظام بدی سے بغاوت کریں

(انتخاب: حفصہ محمود قاضی، ڈیرہ اسماعیل خان)

☆......☆......☆

☆......☆......☆

چالیس احادیث — محمد فیصل علی — چالیس کہانیاں

گائے اور احسان



احسان ایک دیہاتی آدمی ہے۔وہ کھیتوں میں کام کرتا ہے۔اس نے اپنے گھر کے ساتھ ایک باغیچہ بنایا ہوا ہے۔وہ اس باغیچے کا بہت خیال رکھتا ہے۔

اس نے باغیچے میں اپنی پسند کے پھول دار اور پھل دار پودے لگا رکھے ہیں۔اس کے علاوہ ایک کونے میں کیاریاں بنا کر سبزی بھی اگا رکھی ہے۔

ایک دن احسان کھیتوں میں کام کر رہا تھا کہ اچانک اسے گائے کی زور دار آواز سنائی دی۔گائے زور زور سے صدائیں دے رہی تھی۔احسان کے پڑوس میں کئی لوگ رہتے تھے اور یہ انہی میں سے کسی کی گائے تھی۔

احسان ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ گائے کی طرف جائے یا نہ جائے کہ اچانک اسے اپنے باغیچے کا خیال آیا۔کہیں وہ گائے اس کے باغیچے میں تو نہیں گھسی ہوئی؟ یہ خیال آتے ہی وہ بھاگم بھاگ باغیچے کی طرف بڑھا۔

باغیچے کا منظر اس کے ہوش اڑانے والا تھا۔وہ ہو چکا تھا جس کا اسے خدشہ تھا۔گائے نے سارا باغیچہ تہس نہس کر دیا تھا اور اب وہ درد بھری صدائیں دے رہی تھی۔احسان کا دماغ غصے سے کھولنے لگا۔اس کے چہرے پر غصے کی سرخی چھا گئی۔اس نے ایک موٹا سا ڈنڈا اٹھایا اور گائے کی طرف بڑھا۔عین اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔اس نے مڑ کر دیکھا تو گائے کا مالک اس کے سامنے تھا۔باغیچے کی حالت دیکھ کر گائے کا مالک بولا:

”بھائی! معاف کرنا، اس کا ہرجانہ میں ادا کردوں گا، بات یہ ہے کہ تین دن پہلے اس گائے کا بچہ مر گیا تھا، تب سے یہ کئی بار رسی تڑوا کر بھاگ چکی ہے، یہ بے چاری اپنے بچے کے غم میں ہے۔“

یہ سن کر احسان کا غصہ فوراً ختم ہو گیا اور اس نے گائے کو معاف کر دیا۔

ہاں تو بچو! کیا احسان کا عمل اس حدیث کے مطابق ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے حقوق بیان کیے ہیں۔وہ حدیث یہ ہے:

”اتقوا اللہ فی ھذہ البھائم المعجمۃ“

(ابو داؤد)

☆......☆......☆



السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا رسالہ مسلمان بچے ہر ماہ خرید کر پڑھتا ہوں، زندگی میں پہلا رسالہ ہے جو پڑھتا ہوں اور اسے پڑھ کر بہت مزا آتا ہے خصوصاً ٹیپو سلطان کہانی بہت مزے کی ہوتی ہے اور بار بار ہم درخواست کر رہے ہیں کہ مولانا زبیر طیب صاحب اسی طرح سے جس طرح جانباز لکھتے تھے اسی طرح کوئی بھی کہانیوں کا سلسلہ شروع کر دیں۔ باقی رسالہ بھی بہت مزے کا ہوتا ہے۔ باقی کہانیاں بھی سب مزے کی ہوتی ہیں۔

ابوبکر، خان پور

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں شمارہ 1 سے مسلمان بچے کا قاری ہوں لیکن یہ میرا پہلا خط ہے۔ مجھے مسلمان بچے بہت پسند ہے میں اور کوئی رسالہ نہیں پڑھتا اک یہی رسالہ ہے جو مجھے بہت اچھا لگتا ہے اسکی سب کہانیاں ہمیشہ سے ہی بہت مزے کی ہوتی ہیں اس بار کا شمارہ بھی بہت اچھا تھا خاص کر جو مستقل سلسلے ہوتے ہیں وہ تو بہت اچھے لگتے ہیں ہیں جیسے ٹیپو سلطان وغیرہ اور بوجھ بجھکڑ کے جو سوالات ہوتے ہیں وہ بہت مزے کے ہوتے ہیں۔

اللہ پاک اسی طرح ڈھیروں برکتیں دیں۔

رشید احمد

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ ناچیز نے پہلی بار کوشش کی تھی اور آپ کو کہانی اور خط بھیجا تھا جسے آپ نے شائع کر کے یہ ثابت کر دیا کہ ان قارئین کی شکایت بے جا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم نے اتنی چیزیں بھیجی تھیں اور

آپ نے شائع نہیں کیا لہٰذا ہم آپ سے ناراض ہو گئے بلکہ آپ تو ہر قابل اشاعت چیز کو شائع کرتے ہیں بہرحال حوصلہ افزائی کا بہت شکریہ جزاک اللہ خیراً۔ ایندہ بھی ایسی کہانیاں بھیجیں گے جو قابل تو ریف ہوں اور سبق آموز ہوں تا کہ آپ لگا دیں۔ باقی رسالہ ہوتا بہت اچھا ہے ٹائیٹل دیکھ کر بہت اچھا لگتا ہے کافی خوبصورت بنایا ہوتا ہے اور آرٹ گیلری کے تو کیا ہی کہنے کمال کی آرٹ ہوتی ہیں انشاء اللہ میں بھی کوئی آرٹ بناؤں گی جو اس رسالے کی زینت بنے گا اور امید ہے آپ لگا ئیں گے بھی اسکو انشاء اللہ۔

زنیرہ احمد

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسلمان بچے کا یہ شمارہ وواقعی قابل تعریف تھا پہلے صفحے سے لیکر آخر تک بہت اچھا ہے ٹائٹل کی بات کریں تو کمال کا ٹائیٹل اس کے بعد مدیر صاحب کا اداریہ قابل تعریف اور دل کو لگنے والا ہوتا ہے اور اس شامرے کی پہلی پہلی نظم "لکھتے ہیں تیرے غم میں نظم بہت ہی اچھی تھی مسجد اقصیٰ پر لکھی ہوئی تھی اس کے بعد حفصہ حمیرا کی کہانی نیت یا لالچ وہ بھی بہت کمال کی تھی پھر اسکے بعد میری سب سے پسندیدہ قسط جسکا مجھے بے صبری سے انتظار ہوتا ہے حدیث کہانی یہ بھی ہمیشہ کی طرح کمال پڑھ کر دل کو سکون ملا اور ایسے ہی اک کام میں آنے والے نو لجے والا مضمون "دنیا کے چند منفرد خطے"، بہت ہی کمال اسی طرح آرٹ گیلری اور سب کا پسندیدہ مضمون ٹیپو سلطان اس مضمون سے ایک گزارش یاد آ گئی کہ جیسے ٹیپو سلطان چل رہی ہے اور رکیوں کہ یہ بہت پرانے دور کے ہیں ار ہم سب کے ہیرو ہیں تاریخ میں نام بنایا ہے انہوں نے تو گزارش یہ تھی کہ اگر ایسا ہو کہ آج کل کے اگر کسی ایسے بندے پر ان کی زندگی اور انکے کارنامے پر کوئی قسط وار مضمون لکھا جائے تو اور مزا آجائے گا یہ ایک گزارش کرنے تھی۔ باقی اللہ پاک مسلمان بچے پڑھنے اور لکھنے وار اس پر کام کرنے والوں کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ آمین

نسیم احمد

☆......☆......☆

محترم و مکرم ابوامامہ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ آپ اور آپ کے تمام ذمہ داران و کارکنان خیر و عافیت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کی پوری ٹیم کی حفاظت فرمائے۔ آمین

تمام ہی تحریریں لاجواب اور زبردست تھیں۔ لیکن بھائی زبیر طیب کی کہانی "جانباز" کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ بہت ہی زبردست کہانی تھی، بہت شدت سے ہر ماہ اُس کا انتظار ہوتا تھا جب بھی "مسلمان بچے" پڑھتی تھی۔ سب سے پہلے

فہرست میں ”جانباز“ ڈھونڈ کر پڑھتی تھی۔ پھر اطمینان سے باقی مضامین اور کہانیاں پڑھتی تھی لیکن جب سے انہوں نے جانباز ختم کی تھی تب سے ایسے رسالہ ادھورا سا لگتا ہے تو ان سے میری گزارش ہے کہ وہ کچھ اور ایسا شروع کریں۔

اس کے علاوہ باقی تمام لکھاری بہت اچھا اور محنت و ذوق سے لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اُن سب کو مزید لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

خالدہ رشید

☆......☆......☆

محترم ومکرم ابوامامہ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ماہنامہ مسلمان بچے اپنی مثال آپ ہے۔ ماشاء اللہ بہت ہی عمدہ اور جاندار مضامین اور کہانیاں اقوال زریں سے ہر مہینے جلوہ افروز ہوتا ہے۔بہت ہی شوق اور محبت سے پڑھا جاتا ہے جو اسے ایک مرتبہ پڑھ لے بس وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور ہر مہینے اس کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ بچوں کی اصلاح کے لیے بہت ہی جامع رسالہ ہے۔اللہ تعالیٰ اسے نظرِ بد سے بچائیں۔آمین

آپ کے خلوص بھرے رفقائے کار کو دل کی گہرائیوں سے سلام عقیدت ومحبت قبول ہو۔

قاری خلیق احمد

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے رب العالمین سے کہ آپ سب خیر و عافیت سے ہوں گے۔ماہ ربیع الثانی کا رسالہ بہت خوبصورت تھا۔سب سے پہلے بات کی جائے تو اس رسالہ کی ایک خاص خوبی ہے شروع میں ہی فرمان باری تعالیٰ اور فرمان رسول اکرم ﷺ ہوتا ہے۔اسی طرح اگر کوئی انسان دعا اور حدیث یاد کرے تو بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔اس کے بعد مدیر محترم کے خوبصورت الفاظ پڑھے جو کہ ماشاء اللہ قابل تعریف ہیں۔مدیر اعلیٰ سے ایک گذارش ہے کہ تھوڑا سا وقت نکال کر ایک تحریر لکھا کریں۔

ماشاء اللہ سب لکھاری حضرات بہت اچھا لکھتے ہیں۔

”وعدہ“ تحریر بہت خوبصورت تھی۔”راستے کا حق“ بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا جاتا ہے اور ”سچی مخلوق“ سب سے زیادہ پسند آئی۔سب تحریریں بہت سبق آموز تھیں۔

آدھی ملاقات تو اب سچ میں ادھوری ہوتی ہے۔وجہ یہ ہے کہ مدیر محترم قارئین کو جواب نہیں دیتے ہیں۔

زبیر طیب صاحب سے درخواست ہے کہ جلد ایک اور جانباز جیسا سلسلہ شروع کریں۔

امیر محترم سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

خلیل الرحمن

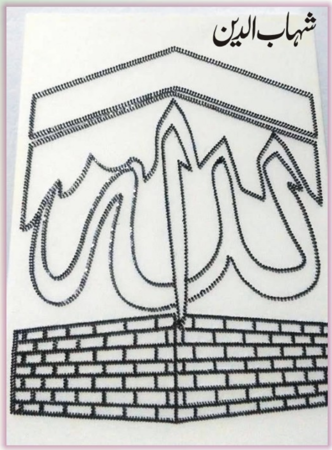
☆......☆......☆

آرٹ گیلری

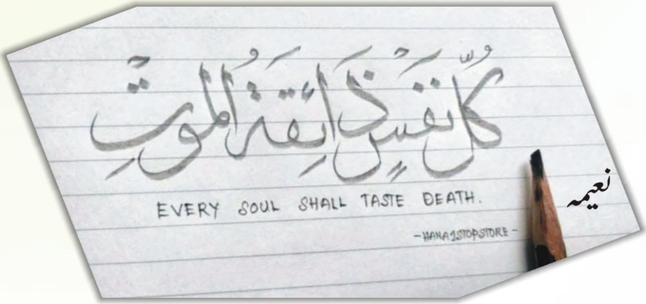




خالد فاروق



شہاب الدین



نعیمہ



اُمِّ ایمن



اُمِّ ایمن



حبیبہ صدیقی



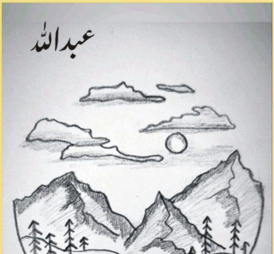
اُمِّ لیلیٰ



حمزہ شبیر



محمد نصر اللہ



عبداللہ



خالدہ صدیقی

احسن عزیز

مستیٔ حیات دل میں بھر گیا

کوئی شہید غم کی تار رات دل میں بھر گیا
سعید ہو کے ہاں مگر نشاط دل میں بھر گیا

وہ لڑکھڑا کے ایک شہسوار رن میں کیا گرا
کہ بے شمار جذبہ ثبات دل میں بھر گیا

دلیل راہ بن کے جو ستارہ سحر رہا
بجھا تو روشنی کی کائنات دل میں بھر گیا

فقیر تشنہ کام پر سخی بھی ایسی شان کا
کہ الفتوں کے دجلہ و فرات دل میں بھر گیا

گیا تو ساتھ ساتھ وہ ہمارے دل بھی لے گیا
وہ قربتوں کی ایسی کیفیات دل میں بھر گیا

اب اس کی یاد منسلک ہے جنتوں کی یاد سے
سفیر جنتاں مبشرات دل میں بھر گیا

جدائیوں کے زخم بھر گئے خیال خلد سے
حسین منزلوں کی خواہشات دل میں بھر گیا

اٹل ہے موت کا مزہ تو رشک ایسے جام پر
وہ جس کا گھونٹ مستیٔ حیات دل میں بھر گیا

جہاں میں تیغ علم کو عمل کی آب جس نے دی
سروش غیب اس کی بات بات دل میں بھر گئی